ہدایاتِ آقائے رہبر

رہبر معظم سید علی خامنہ ای حفظہ اللہ

جمع وترتیب:

ابن حسن

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب: ہدایاتِ آقائے رہبر
مولف: رہبر معظم سید علی خامنہ ای حفظہ اللہ
جمع وترتیب: ابن حسن
کمپوزنگ: انس کمیونیکیشن 0300-4271066
ناشر: معراج کمپنی لاہور
زیرِ اہتمام: ابوظہیر

ملنے کا پتہ

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد
0333-5234311

فہرست

عرض ناشر

حمد ہے اس ذات کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود وسلام ہو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسے اس نے عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام ورحمت ہو ان کی آل پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لئے چراغ ہدایت بنایا۔

جب سے ادارہ قائم کیا ایک خواہش تھی کہ آقائی رہبر معظم سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی کتابیں شائع کی جائیں لیکن مصروفیات اور کچھ آقائی موصوف کی کتب کی غیر دستیابی کی بنا پر اس خواہش کی تکمیل میں تاخیر ہوئی۔ لیکن اب الحمد للہ جناب مولانا مجاہد حسین حرؔ صاحب نے رہبر معظم کی کتب فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور انہوں نے خدا کی بارگاہ سے امید ظاہر کی ہے کہ انشاءاللہ سو (۱۰۰) سے زائد کتب فراہم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ اور ان کی اس سعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

مذکورہ کتاب دراصل حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے یوم ولادت پر آقائے رہبر معظم کے پیغامات ہیں جو انہوں نے مختلف مقامات اور گروہ سے خطابات کی صورت جاری کئے ہیں، اور یہ تمام پیغامات ان کی ویب سائٹ khamenei.ir سے حاصل کر کے قارئین کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب کی اشاعت ہمارے لئے کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دین الٰہی کی

نشر و اشاعت کے لئے کام کر رہے ہیں، ہماری دعا ہے اللہ رب العزت تمام امت مسلمہ کو عزت و سربلندی عطا فرمائے اور ہم سب کو ہر طرح کی بداخلاقی اور دیگر آفات و بلیات سے محفوظ رکھے اور اپنی ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

ادارہ معراج کمپنی شیخ محمد باقر امین صاحب کی دادی مرحومہ کے نام پر قائم کیا گیا ہے ۔ مومنین کرام سے درخواست ہے کہ مرحومہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ادارہ

شعبہ تعلیم سے وابستہ افراد کو ہدایات

یونیورسٹیوں میں دین کو زندہ رکھنے کی ضرورت ہے

آپ تمام حضرت جو یونیورسٹیوں میں رہے ہیں اور ہم سے زیادہ یونیورسٹیوں کو پہچانتے ہیں اور دینی جذبہ بھی رکھتے ہیں، اس کی گہرائی سے واقف ہیں۔ اگر یونیورسٹی دین سے الگ اور دین سے بیگانہ ہو جائے، تو یہ ایک نا قابل تلافی المیہ ہوگا۔ یعنی اس کی تلافی کے لئے بڑی قربانیاں دینی پڑیں گی اور بڑی مشکلات آئیں گی اور اس کے بعد بھی کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ اس کی تلافی ہوگی یا نہیں۔

اسلامی جمہوریہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی انسان سازی کی مشین کو صحیح کام کرنا چاہئے اور اسلامی جمہوریہ کے اہداف سے ہماہنگ انسان تیار کرنے چاہئیں۔ ورنہ اگر ہم صرف پڑھے لکھے لیکن ان مقدس آرزوؤں سے عاری انسان تیار کرنا چاہیں، جو ایک قوم بالخصوص مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں تو بہتر ہوگا کہ ہم اپنے طلبا کو ان ملکوں میں بھیجیں جن کے علمی ادارے، زیادہ جدید اور وسائل سے لیس ہیں۔ وہاں جائیں، پڑھیں اور آئیں۔ ہدف یہ نہیں ہے۔ ہدف یہ ہے کہ ملک علمی اور فکری لحاظ سے صالح انسانوں کے ذریعے اپنے اہداف کی سمت میں حرکت کرے اور یہ کام صرف اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب اپنے لوگ اہداف کو پہنچانتے اور قبول کرتے ہوں۔

اگر یونیوسٹی ایسی ہو کہ جہاں سے فارغ التحصیل ہو کے نکلنے والے لوگ، نہ انقلاب کی نسبت حساس ہوں، نہ دین کے تئیں حساس ہوں، نہ ملک کی نسبت حساس ہوں، نہ قومی خودمختاری کو اہمیت دیں اور نہ بڑی قومی امنگوں کی فکر میں ہوں تو یہ یونیورسٹی علمی لحاظ سے کتنی ہی اعلا کیوں نہ ہو، ثمر بخش ثابت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس یونیورسٹی کے تیار کردہ افراد بہت آسانی سے مختلف پالیسیوں کے زیر اثر آ جائیں گے۔

بنابریں یونیورسٹیوں میں ہمارے پروگرام واضح اور متعین ہونے چاہئیں یعنی ہمیں یونیورسٹیوں میں دینداری اور انقلابی جذبے نیز قومی خودمختاری پر توجہ دینی چاہئے۔ خاص طور پر غیروں پر انحصار کا نکتہ ایسا ہے کہ افسوس کہ آج دنیا کے چھوٹے ممالک یعنی سیاسی حالت اور سیاسی پوزیشن کے لحاظ سے چھوٹے ممالک اور سابق تیسری دنیا کے ممالک اور زیادہ تر اسلامی ریاستیں اس سے دوچار ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرف سے بند ہیں۔

اس انحصار کو حصول علم کے اس اشتیاق سے کہ انسان کو جہاں بھی علم ملے گا وہاں جائے گا، خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ کبھی علم ہمارے دشمن کے پاس ہے۔ دشمن کے پاس جائیں، احترام کریں اور اس سے علم حاصل کریں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علم کی اہمیت اس سے زیادہ ہے کہ اس کے لئے انسان اس کے پاس نہ جائے جو اس کا مخالف ہے، یہ ایک الگ بحث ہے۔ لیکن علمی پہلو سے الگ ہٹ کے دشمن کے زیر اثر جانا، سیاسی پہلو سے اور ثقافتی لحاظ سے اس سے متاثر ہو جانا، ایک الگ بحث ہے۔ ہمارے لئے جس چیز کا بندوبست کیا گیا ہے وہ یہی آخر الذکر صورت ہے۔ رائج اصطلاح کے مطابق تیسری دنیا کے لئے جس کی منصوبہ بندی کی گئی ہے وہ یہی دوسری صورت حال ہے۔ ایسی صورت حال پیدا کر دی گئی ہے کہ پہلی والی پوزیشن پیدا ہونے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔

یہ ذہین افراد کے ملک سے چلے جانے کا مسئلہ جو موجودہ پسماندہ دنیا میں

دسیوں سال سے درپیش ہے، اسی قضیے کا حصہ ہے۔ وہ ذہین اور اچھے افراد کو ورغلا کر لے جاتے ہیں۔ لے جاتے ہیں اور جو لوگ سیکھ لیتے ہیں اور با استعداد ہیں انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ اپنے ملکوں کے لئے کام کریں۔ یہ دوسرا مسئلہ اگر یہ نہ کہا جائے کہ یونیورسٹیوں میں پہلے مسئلے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے تو کم سے کم اس کی اہمیت اس کے برابر تو ضرور ہے۔

یونیورسٹیوں میں دین کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری یونیورسٹی بے دینی کے عالم میں وجود میں آئی ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔ دین سے عاری حالت میں قائم ہوئی۔ یعنی منصوبہ تیار کیا کہ یونیورسٹی بے دین وجود میں آئے۔ اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ کسی یونیورسٹی کا بانی متدین تھا یا متدین نہیں تھا۔ اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یونیورسٹی کی بنیاد غیر دینی بلکہ دین کی مخالفت پر استوار رہی ہے۔ جیسے ہمارے ملک کی روشن فکری کی تحریک، شروع سے ہی بے دین پیدا ہوئی۔

حقیقی دین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختلف مراکز اور جگہوں اور انسانی مجموعوں میں نفوذ کے لئے کسی کی اجازت کا انتظار نہیں کرتا۔ دین یونیورسٹی، روشن فکری کی فضا اور علم کے ماحول میں بھی داخل ہوا اور ہر جگہ پہنچا۔ لیکن بنیاد، غلط تھی۔ یہ بنیاد تبدیل ہونی چاہئے۔ ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہئے کہ یونیورسٹی دوبارہ اسی حالت میں چلی جائے۔ البتہ دشمن بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہے گا۔

انقلاب کے بعد ثقافتی انقلاب کے لئے، یعنی یونیورسٹیوں کو اسلامی سمت اور جہت دینے کے لئے واقعی قابل تشکر کوشش ہوئی ہے۔ کچھ اساتذہ، طلبا اور ملک کے حکام نے واقعی ایسے کام کئے ہیں کہ جو خدا اور اس قوم کے نزدیک ان کے ہمیشہ باقی رہنے والے ذخائر ہیں۔ یہ تمام کام قابل تشکر ہیں لیکن ابھی ادھورے ہیں، پورے نہیں ہوئے ہیں۔ ثقافتی انقلاب کی اعلا کونسل کو اپنے ضروری فرائض میں سے ایک یہ قرار دینا چاہئے کہ ہم کیا کریں کہ یونیورسٹی کا ماحول ایسا ہو کہ وہاں طالب علموں کی سیاسی آگاہی اور

سرشار طالب علمی کے جذبے کے ساتھ دینی اور انقلابی تربیت ہو۔ یہ ان جملہ کاموں میں سے ہے جو آپ کو کرنا ہے۔ اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو اس قوم کے دشمن وہ کام کریں گے جو اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی کر رہے ہیں البتہ طریقہ مختلف ہے۔

یہ ثقافتی یلغار کا مسئلہ جس پر میں نے بارہا زور دیا ہے، ایک روشن حقیقت ہے۔ اس سے انکار کر کے ہم اس یلغار کو ختم نہیں کر سکتے ہیں۔ ثقافتی یلغار سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ یلغار جاری ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے بقول ''من نام لم ینم عنه'' اگر مورچے میں آپ کو نیند آ گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کے مقابل مورچے میں دشمن بھی سو گیا ہے۔ آپ سوئے ہوئے ہیں، خود کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں اس بات پر توجہ رکھنی چاہئے کہ ثقافتی انقلاب خطرے میں ہے۔ اسی طرح ہماری اسلامی اور قومی ثقافت کو بھی دشمنوں کی جانب سے خطرات لاحق ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ جنگ کے اوائل میں رپورٹیں مل رہی تھیں کہ دشمن فلاں جگہ تک آ گیا ہے، دشمن اس جگہ پر بمباری کر رہا ہے، حزب اللہ کے سپاہیوں کی طرف سے مختلف انقلابی اداروں میں یہ بات بار بار کہی جا رہی تھی۔ وہ بندہ خدا جو مسلح افواج کا ذمہ دار تھا، اس سے انکار کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جھوٹ ہے۔ کون کہتا ہے کہ عراق ہم پر حملہ کر رہا ہے؟ عوام میں افواہ تھی کہ ''عین خوش'' پر دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے۔ مسلح افواج کا عہدہ دار وہاں گیا اور ٹیلی ویژن پر اس کا انٹرویو ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ''عین خوش'' پر دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے۔ میں اس وقت عین خوش میں انٹرویو دے رہا ہوں۔ وہ عین خوش سے باہر آیا اور تین چار گھنٹے کے بعد دشمن نے عین خوش پر قبضہ کر لیا۔ پتہ چلا کہ دشمن عین خوش سے باہر تھا۔ عین خوش میں نہیں تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دشمن نہیں تھا۔

جو چیز واضح اور روشن ہے ہمیں اس سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ یونیورسٹی میں یونیورسٹی سے باہر حتی ہمارے ذرائع ابلاغ عامہ میں جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں ان میں، جو

ترجمے کر رہے ہیں، جو اشعار اور نظمیں کہی جا رہی ہیں ان میں، دنیا میں کئے جانے والے ان ظاہری ثقافتی پروگراموں میں جن کا تعلق ہم سے نہیں ہے اور ان کی خبریں اصولاً آپ حضرات جو ثقافتی عنصر ہیں، سنتے ہیں، ہر جگہ انقلاب کے خلاف بہت خطرناک ثقافتی اور فوجی صف بندی کی گئی ہے۔

یہ وہ چیز نہیں ہے جو مثلاً سو سال پہلے سے ہو۔ جی ہاں، سو سال پہلے بھی اسلام کے خلاف ثقافتی یلغار تھی۔ لیکن جب سوئے ہوئے دشمن کا مقابلہ ہو تو فوجی صف بندی ایک اور طرح ہوتی ہے؛ جب بیدار دشمن سامنے ہو تو فوجی صف بندی دوسری طرح کی ہوتی ہے۔ اس دور میں عالم اسلام خواب آلود تھا بلکہ غافل، نشے میں اور مست تھا۔ دشمن کبھی اس پر وار لگاتا تھا، اس کی رگوں میں ایک سوئی ڈالتا تھا اور کوئی مادہ داخل کر دیتا تھا اور چلا جاتا تھا۔ لیکن اب اسلام بیدار ہے۔ مغربی دنیا کا دشمن آج بیدار ہے۔ ایک سورما کی طرح میدان میں ہے۔ امام جیسی ہستی کی کبھی نہ ختم ہونے والی یاد اس کے ساتھ ہے۔ اس کے پاس اتنے زیادہ ذخائر ہیں، اتنے زیادہ اچھے نوجوان ہیں، یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ آج دشمن ہماری موجودہ حالت کے مقابلے میں، وہ سو سال یا پچاس سال پہلے والی فوجی صف بندی اور حکمت علمی سے کام نہیں لے گا۔ ہمیں دشمن کی نئی صف بندی کو پہچاننا چاہئے۔ اگر نہ پہچانا اور سو گئے تو ختم ہو گئے۔ وہی ''من نام لم ینم عنه'' ہے۔ ''ان اخا الحرب الارق من نام لم ینم عنه'' مرد جنگ کو بیدار رہنا چاہئے۔ اگر تم سو گئے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہارے مدمقابل مورچے میں تمہارا دشمن بھی سو گیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ بیدار ہو۔

یہ بات یونیورسٹی پر صادق آتی ہے۔ افسوس کہ کبھی یہ کام اپنوں کے وسیلے سے انجام پاتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ کام سیاسی فضا میں یا یونیورسٹی کی فضا میں علمائے کرام کی شخصیت اور اہمیت کو ختم کر کے شروع کئے جا رہے ہیں، تو یہ کام معمولی اور صرف پیشہ ورانہ نہیں ہیں۔ یہ کہ ہم دینی تعلیم کے مراکز کے نظام کو ایک تقلیدی چیز ظاہر کریں، جو

تحقیق، دقت نظر، بنیاد سازی، تجدید نظر، نئی بات پیش کرنے اور جدت پر استوار ہے، یہ بات تو بالکل واضح ہے، دینی تعلیم کے مراکز میں تعلیم و تربیت کا طریقہ اور سبک شروع سے ہی تحقیق کی بنیاد پر رہا ہے۔ اور مطہری اور بہشتی جیسی شخصیات، دینی تعلیم کے مراکز کے پروردہ ان ہستیوں کو دینی تعلیم کے مراکز کی استثنائی شخصیات قرار دیں یہ غلط ہے۔ فطری طور پر جو دینی تعلیم کے مراکز کو نہیں پہچانتا، جس کو یہ نہیں معلوم ہے کہ حوزہ علمیہ (دینی تعلیم کا مرکز) کیا ہے وہی اس غلطی کا مرتکب ہوگا۔ البتہ زیادہ امکان یہ ہے بلکہ شاید یقینی طور پر انسان جانتا ہے کہ، یہ بات کسی خاص غرض کے بغیر کہی جاتی ہیں، یعنی غلط نیت نہیں ہے، لیکن بات حقیقت کے خلاف اور فتنہ انگیز ہے۔ یہ اس بات کا باعث ہوتی ہے کہ یونیورسٹی والوں اور یونیورسٹی طلبا کی نگاہ میں علماء کی جو دین کے نمائندے اور دین کے علم بردار ہیں، معنوی اور علمی حیثیت ختم ہو جائے۔ چنانچہ اسی طرح کا کام البتہ زیادہ بیہودہ طریقوں کے ساتھ انقلاب سے پہلے بھی کیا جاتا تھا اور اس کی تاثیر کم نہیں تھی۔ واقعی انقلاب سے پہلے، یونیورسٹی والے علماء کو زیادہ باتونی، نادان، زیادہ توقعات رکھنے والے اور کچھ نہ جاننے والے سمجھتے تھے۔ میرا ایسے بہت سے لوگوں سے سامنا رہا ہے۔ مثال کے طور پر کسی میٹنگ میں دینی تعلیمی مرکز کے کسی طالب علم کے ساتھ بیٹھتے تھے اور اس سے کچھ اہم اور معقول بات سنتے تھے تو کہتے تھے کہ ''تعجب ہے، علماء میں آپ جیسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں؟'' جب کہ وہ طالب علم ایک معمولی طالب ہوتا تھا۔ وہ علماء کو نہیں پہچانتے تھے۔ یعنی ملک کی یونیورسٹیوں اور علمی مراکز میں علماء کے بارے میں غلط تاثر پایا جاتا تھا۔ حوزہ علمیہ (دینی تعلیم کا مرکز) علم و تحقیق کا مرکز ہے۔ ہمارے ملک میں اگر کوئی مرکز خالص علمی مرکز اور مخلصانہ کے قصد کے بغیر بے لوث علمی مرکز کا مصداق قرار پا سکتا ہے تو وہ یہی دینی تعلیم کا مرکز ہیں۔ لیکن وہ اس کو علم سے عاری مرکز سمجھتے تھے۔

وہ زہد، دنیا سے بے اعتنائی، وہ پارسائی جو علماء میں، طالب علمی کی زندگی میں اور طالب علمی کی زندگی سے باہر موجود تھی اور الحمد للہ آج بھی اکثر و بیشتر پائی جاتی ہے،

اس کو ماڈرن یونیورسٹی والوں کی نظر میں اس بات سے تبدیل کر دیا تھا کہ علماء کی جماعت مفت خور ہے۔ مفت خور کی تعبیر واضح تھی۔ جب کسی جگہ کہتے تھے مفت خور تو بغیر کسی اشارے اور قید کے جیسے ضمیر اپنے مرجع کو پہچانتی ہے، اس سے مراد علماء کو سمجھا جاتا تھا۔ یہ پروپیگنڈہ تھا جو کیا گیا تھا۔

اس پروپیگنڈے کا ہدف کیا تھا؟ اس پر پیگنڈے میں نشانہ علماء نہیں تھے، علماء کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی، اس پروپیگنڈے میں نشانہ دین تھا۔ اگر ہم علماء، فقیہوں اور فقہاء کے علمی مرتبے اور ملک کی کلی حرکت میں اس کے اثرات کے منکر ہو جائیں، یا اس پر سوالیہ نشان لگا دیں، یا اسے مشکوک بنا دیں تو درحقیقت ہم نے ایک کارآمد اور عظیم طبقے کے دینی رجحان پر وار لگایا ہے۔ یہ وہی کام ہے جو وہ چاہتے تھے۔ یہ دشمن کی مرضی کا کام کرنا ہے۔ لہٰذا یونیورسٹی کے ماحول میں اس نکتے پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

طلبا کے انقلابی جذبے پر توجہ دینا بھی ضروری ہے۔ ہمارے یونیورسٹی طلبا، دنیا کے دیگر تمام طلبا کی طرح، انقلاب کو آگے بڑھانے والے اور انقلاب کے بنیادی ستون بنیں اور انقلابی مسائل سے لاتعلقی کا احساس ہرگز اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔ اس کے لئے کچھ طریقے ضروری ہیں۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو حکم دینے سے ہو جائے۔ یہ حکم والی چیز نہیں ہے کہ طلبا سے کہیں کہ جوش و جذبے کے ساتھ انقلاب کے اہداف کی طرف آگے بڑھیں۔ جوش و جذبہ وہ چیز ہے جو ہر طبقے میں پیدا کی جاتی ہے۔ اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ دیکھیں اور غور کریں کہ یہ جوش و جذبہ کیسے وجود میں لایا جائے۔ یونیورسٹی طلبا میں یہ جوش و جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

یونیورسٹیوں میں طلبا کے انقلابی جذبے کو کمزور نہیں پڑنے دینا چاہئے۔ کچھ ایسا کام کیا جائے کہ جو لوگ لاتعلق بھی ہیں، ان میں بھی انقلابی جہت اور انقلابی جذبہ پیدا ہو۔ نہ یہ کہ خدانخواستہ اس کے برعکس ہو اور ایسے کام انجام دئے جائیں کہ جن لوگوں میں انقلابی جہت اور جذبہ ہے آہستہ آہستہ ان کے اندر لاتعلقی کا رجحان پیدا ہو۔ یہ خطرہ بہت

بڑا ہے۔

یونیورسٹی طلبا کا طبقہ استثنائی طبقہ ہے۔ حتی چھوٹی عمر کے طلبا اس لحاظ سے یونیورسٹی طلبا سے مختلف ہے۔ یونیورسٹی کے طالب علم نوجوان ہیں۔ علم و دانش کے راستے پر گامزن ہیں۔ آزاد فضا سے آشنا ہیں۔ ایک جگہ جمع ہیں اور وہ بھی اتنی بڑی تعداد میں۔ یہ خصوصیت اور یہ کیفیت خاص حالت اور تاثیر رکھتی ہے۔ ان تاثیرات کو قبول کرنا چاہئے۔ ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ یونیورسٹی طلبا کی جماعت حکومت کی پالیسیوں کو پورے وجود سے مکمل طور پر قبول کرلے گی۔ البتہ اداروں کے ذمہ داروں کی تیار کردہ پالیسیوں کو تسلیم کرنا چاہئے، اس میں شک نہیں ہے۔ جب ملک کے ادارے اور امور مملکت چلانے والے، کوئی فیصلہ کریں تو اس فیصلے پر ان تمام لوگوں کے لئے عمل کرنا ضروری ہے جو ان کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔ لیکن یونیورسٹی طلبا کو یہ حق دینا چاہئے کہ اپنی نوجوانی اور اپنے جوش و جذبے اور شوق و ذوق کے تقاضے کے تحت ان کے اندر سوال کی کیفیت پائی جائے، ممکن ہے کبھی اعتراض کریں، تجاویز پیش کریں۔ یونیورسٹی کی فضا میں اس کو برداشت کرنا اور قبول کرنا چاہئے۔ یہ ان جملہ عوامل میں سے ہے کہ جوان کے اندر جوش و جذبے کو زندہ رکھتے ہیں اور انہیں طالب علم باقی رکھتے ہیں۔

البتہ اس بات کا خیال بھی رکھنا چاہئے کہ طلبا کا ماحول پیشہ ور سیاستدانوں کی سیاست بازی کا میدان نہ بن جائے۔ یہ بات کہ کوئی اٹھے اور اپنے سیاسی اغراض اور غلط مقاصد کے لئے یونیورسٹی جائے اور وہاں انتشار پیدا کرے، کچھ طالب علموں کے اذہان میں شکوک و شبہات پیدا کرے، قابل قبول نہیں ہے۔ البتہ خود طلبا کو چاہئے کہ اس قسم کے افراد کو پہچانیں، انہیں مسترد اور اپنے ماحول سے باہر کردیں۔ یونیورسٹی طلبا کا ماحول طالب علموں والا اور پاک و صاف ماحول ہونا چاہئے۔

سیاسی آگاہی اور سیاسی شعور وجود میں لانا ایک الگ مسئلہ ہے۔ لیکن سیاستدانوں کی سیاست بازی کا ہدف بننا دوسرا مسئلہ ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ یونیورسٹی کے ماحول

میں جن کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اگر یہ کام انجام دے دیئے جائیں تو فطری طور پر یونیورسٹی میں دین کے ظواہر کی خود بخود پابندی ہوگی۔ البتہ اس وقت جیسا کہ میں سنتا ہوں، یونیورسٹیوں کی حالت چاہے وہ سرکاری یونیورسٹیاں ہوں یا آزاد (پرائیویٹ) یونیورسٹی ہو، اس لحاظ سے بہت اچھی ہے۔ لیکن ہر لحاظ سے اس مسئلے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

آپ کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری ہے۔ ان شاء اللہ خداوند عالم آپ کی مدد کرے کہ آپ یہ عظیم اور مقدس فریضہ اچھی طرح انجام دے سکیں۔ میری نظر میں کوئی بھی نیکی اس سے زیادہ موثر، جاریہ اور باقی رہنے والی نہیں ہے جو کام آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ ان شاء اللہ تائید الٰہی آپ کو حاصل رہے اور آپ کامیاب رہیں۔

معلم وہ ہے جو انسان کے دل میں چراغ روشن کرتا ہے

یوم معلم ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اور اسکی اہمیت خود استاد اور معلم کی عظمت واہمیت کی وجہ سے ہے۔

جب معلم کے متعلق گفتگو کی جاتی ہے تو معلم کے عام معنی کو مدنظر رکھا جاتا ہے جو کہ کافی عظمتوں کا حامل ہے۔ معلم وہ ہے جو انسان کے دل میں ایک چراغ روشن کرتا ہے اور اسے جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور علم ومعرفت کی طرف لاتا ہے۔

معلم ہونے کا مطلب یہی ہے۔ یہ انسانی زندگی میں تصور کی جانے والی سب سے بڑی قدر ومنزلت ہے۔

اس کی واضح مثال آج کے دن شہید ہونے والے استاد شہید مرتضٰی مطہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اپنے علم اور اپنی عمیق فکر کے ذریعہ اسلامی علوم کے مختلف گوشوں کو واضح و روشن کیا اور باریک بینی کے ساتھ ان کا تجزیہ کیا اور انہیں متعدد کتابوں کی صورت میں ہمارے حوالے کیا۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان مختلف موضوعات میں جس موضوع پر بھی شہید مرتضٰی مطہری رحمۃ اللہ علیہ نے عالمانہ اور عمیق تحقیق کی ہے وہ ایک چراغ کی مانند ہے جس نے ہمارے قلوب اور اذھان کو روشنی بخشی ہے۔ اب ذرا سوچئے کہ اس قدر و منزلت کا مقابلہ کون سی شیء کرسکتی ہے؟ یہ معلم کا ایک معنی تھا جو بیان ہوا۔

جیسا کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے تھے اور متعدد بار ہم نے بھی کہا اور سنا ہے

کہ تعلیم انبیا کا عمل ہے ''یعلمهم الکتاب والحکمة'' ''بلکہ خود خداوند عالم کا عمل ہے'' ''علم الانسان مالم یعلم'' ''اور اگر ان مراتب سے کمتر کی گفتگو کی جائے تو خود انسان آپس میں ایک دوسرے کو تعلیم دیتا ہے۔ان میں کوئی معلم ہے تو کوئی طالب علم۔آپ کا اور اس شعبے سے متعلق ہر شخص کا کام ہی یہ ہونا چاہئے کہ وہ لوگوں کو سکھائے اور تعلیم دے خواہ وہ آموزش و پرورش (ایران کا ادارہ تعلیم و تربیت) میں ہو یا یونیورسٹی میں،حوزہ علمیہ سے تعلق رکھتا ہو یا پھر کسی بھی علمی مرکز سے۔لوگوں کے لئے اہم حقیقتوں کو آشکار کرے اور ان کے علم و معرفت میں اضافہ کرے۔ ہر معلم کی یہی شان ہونی چاہیئے اس لئے کہ یہ بہت ہی اہم اور معتبر ہے۔

آج کی ملاقات میں دوسرے نقطہ نگاہ کے سلسلے سے میں آپ کے سامنے اپنے عرایض پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ معلم اور استاد کا ایک خاص معنی یعنی ''استاد تعلیم و تربیت'' ہے۔ یہ معلم دیگر معلموں سے مختلف ہے۔تمام معلمین میرے لئے عزیز ہیں لیکن تعلیم و تربیت کا استاد و معلم ایک خاص امتیاز کا حامل ہے اور دیگر اساتذہ خواہ وہ گھر میں والدین کی صورت میں ہوں یا پھر علمی مراحل میں انسان کی ترقی کا باعث بننے والے دیگر دانشور حضرات کی شکل میں ہوں، اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔تعلیم و تربیت کے استاد کی ایک خاص اہمیت ہے۔

اس خاص اہمیت کی کیا وجہ ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ ''ادارہ تعلیم و تربیت'' پرائمری اسکول سے ہائی اسکول تک ایک عام تعلیمی مرکز ہے جس میں معاشرے کے تمام افراد ایک نقطہ سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے نقطہ سے خارج ہوتے ہیں۔ وہ بھی کس سن و سال میں؟ کیا ستر،اسی یا سو سال کی عمر میں؟ کوئی بھی دور تعلیم حاصل کرنے کے اعتبار سے اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ علم حاصل کرنے کا زرین دور یعنی ٦ سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک کا دور ہے۔ ادارہ تعلیم و تربیت کو اور معلمین کو اس زاویہ نگاہ سے دیکھئے۔ ایک قوم کے افراد کا عظیم سلسلہ، جس کے تحت کروڑوں افراد اپنی زندگی کے

بہترین دور میں اس عظیم مرکز میں داخل ہوتے ہیں جس کا نام ادارہ تعلیم وتربیت ہے۔ اس عظیم تعداد کا سروکار کس سے ہے؟ معلم اور استاد سے ہے۔ لہٰذا اس عظیم تعلیمی مرکز اور بارہ برسوں کے عرصے میں معلم اپنا خاص کردار ادا کرتا ہے۔

اب آپ ایک ملک پر نظر ڈالیں۔ آپ ایک انسان، ایک مدیر، ایک صدر، اور ایک فرض شناس شخص ہونے کے ناطے چاہتے ہیں کہ آپ کا ملک ایسا ہو جس کے باشندے نمایاں صلاحیتوں کے حامل ہوں، اخلاقی لحاظ سے پاک ومنزہ ہوں، میدان عمل میں شجاع ہوں، فکری لحاظ سے تدبر رکھتے ہوں، اس ملک کے افراد صاحب فکر، اور تخلیقی حیثیت کے حامل متقی پرہیزگار، پاکدامن منظم، قانون کا لحاظ رکھنے والے اور مختلف بلندیوں کو سر کرنے والے ہوں، آپ کچھ اس طرح کا ملک اور کچھ ایسا معاشرہ تعمیر کرنا چاہتے ہے۔

اس دنیا میں کون ایسا ہے جو نہ چاہتا ہوں کہ اس کا ملک اور معاشرہ ایسے مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہو جو ایسی خصوصیات کے حامل ہوں؟ یعنی ایسی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ میدان عمل میں شجاع ہوں، بلند مقاصد تک رسائی حاصل کریں، اپنے مقصد سے دستبردار نہ ہوں، شوق واشتیاق کے حامل ہوں، نظم وضبط کا خیال رکھیں اور ان میں بے کاری، بے نظمی اور تن پروری کا وجود نہ ہو۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس طرح کا ملک تعمیر کریں۔ اب آپ ملاحظہ کریں کہ انسان کی تربیت کی منزل گویا کہاں ہے؟ کیا ولادت سے وفات تک کی مدت میں، ایسی خصوصیات کے حامل شخص کی تربیت کرنے کے لئے ادارہ تعلیم وتربیت سے بہتر کوئی مقام نظر آتا ہے؟ یہی ۱۲ سال کی مدت ایسے انسان کی تربیت کرسکتی ہے جو ان خصوصیات کا حامل ہو۔ یعنی اگر تعلیم وتربیت کا یہ کارخانہ صحیح کام کرے، صحیح سمت میں حرکت کرے، اس کے تمام اجزا اپنے فرائض ادا کریں، اسکے منتظمین، زعما اور تمام ارکان اپنی ذمہ داریاں پوری طرح نبھائیں تو بلاشک وشبہ ۲۰ سے ۲۵ سال کی مدت میں ایسا ملک وجود میں آسکتا ہے۔

یہ ہے ادارہ تعلیم و تربیت کا کردار، یہ ہے اس ادارے کے معلمین کا کردار۔ اسے کوئی معمولی امر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس ادارہ کے علاوہ ملک کا کون سا ادارہ ہے جس کو یہ افتخار حاصل ہو کہ انسانوں کی ایک عظیم تعداد اپنے بہترین دورہ زندگی میں مسلسل ۱۲ سال تک اپنے آپ کو اسکے حوالے کرے؟ یہ ہے ادارہ تعلیم و تربیت کی اہمیت۔ ہم جو معلم کے لئے ایک خاص احترام کے قائل ہیں اور میں جو معلم کے حقیقی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اسکی تعظیم کرتا ہوں، یہ کوئی ظاہرداری نہیں فلاں صاحب یا فلاں صاحب کی خوشامد نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے اور اس فلسفہ پر مبنی ہے جس کا ذکر میں اوپر کر چکا۔ معلم چاہے یا نہ چاہے ایک بلند اور عالی مرتبہ پر فائز ہے اور حسّاس نقطہ پر کھڑا ہوا ہے۔

ادارہ تعلیم و تربیت کی اہمیت بیان ہو چکی جس میں اس کے تمام ارکان، منتظمین، مفکرین اور اہل قلم افراد شامل ہیں۔ لیکن سب سے اہم حیثیت معلم اور استاد کی ہے۔ تمام انتظامات اس لئے کئے جاتے ہیں کہ معلم اپنے کام کو بہتر طور پر انجام دے سکے۔

مرد میدان معلم ہے، پہلا مرتبہ معلم کا ہے اور باقی دیگر ارکان اس کے پشت پناہ اور مددگار ہیں تاکہ بچوں اور نوجوانوں کی شکل میں جو ان کے لئے بہترین قدرتی عناصر مہیا کئے گئے ہیں انہیں وہ اپنے ہنر، سعی و کوشش، ہدایت اور لگن کے ساتھ ایک مفید اور بااہمیت عنصر میں تبدیل کرے۔ ان عناصر کی قدر و اہمیت میں یہ اضافہ کرے تو یہ ترقی کسی بھی دوسری چیز کی ترقی سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ اگر خاک سے خالص سونا بنادیں۔ اگر ہم معدن سے نکال کر ایٹمی انرجی بھی بنائیں پھر بھی یہ کام اس کام کی اہمیت تک نہیں پہنچ سکتا جو ایک استاد اور معلم اپنے شاگرد کے نشونما کے لئے انجام دیتا ہے۔

آپ تمام معلم حضرات ایک انسان کی تربیت کرتے ہیں اور ایک حقیقی انسان کے وجود میں آنے کا سبب بنتے ہیں۔ اب اگر کسی ملک کے معلم اس بات پر اتر آئیں کہ اس کے برخلاف عمل کریں یعنی شجاع کی جگہ بزدل بنائیں، وطن پرست اور ملک دوست انسان کے بجائے ایک ایسے انسان کو پروان چڑھائیں جو بیگانوں اور اجنبیوں کا دلدادہ

ہو، مومن نیک اور صالح افراد کی جگہ بے ایمان اور لا مذہب اشخاص کو وجود بخشیں، باصلاحیت اور قابل اعتماد افراد کے بجائے ایسے انسانوں کی تربیت کریں جو دوسروں کی علمی وغیر علمی قدرت توانائی کے سامنے سر بسجود ہوں تو ذرا سوچیں کہ کیا کیا مصیبتیں ملک پر نہ ٹوٹ پڑیں گی؟ شاہ رضا خان کے زمانے میں موجود ادارہ تعلیم و تربیت انہی صفات کا حامل تھا۔ البتہ یہ عین ممکن ہے کہ اسکے منتظمین اور زعما خود اس بات سے غافل ہوں کہ وہ کیا قیامت برپا کر رہے ہیں۔

یہ بات بھی اپنی جگہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس مجموعے میں بہت سے متدین، مومن اور نیک افراد موجود تھے جو اپنے مثبت مقاصد کے پیش نظر کام کرتے تھے لیکن اتنا طے ہے کہ خود حکومت کا ہدف کچھ اور تھا۔ اسلامی نظام میں مقاصد اس کے برخلاف ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس عظیم مرکز میں انہی خصوصیات کے حامل افراد کی تربیت ہو جنہیں بیان کیا جائیگا۔ ایک جوان کے بلوغ کے سن و سال آپ کے حوالے ہیں۔ کسی انسان کا زمانہ بلوغ اسکی طولانی اور باقی رہنے والی شخصیت کی تشکیل کا دور ہوتا ہے۔ اس مدت میں وہ ایک نوجوان معلم کے سپرد ہوتا ہے۔ ایک معلم نہ صرف یہ کہ اپنے درس کے ذریعہ بلکہ اپنی شخصیت کے ذریعے بھی اس شاگرد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک عاقل، عالم، خوددار، بااثر، پر امید اور فعال معلم اپنے شاگردوں کو بھی خود جیسا ہی بناتا ہے۔ لیکن ایک تندخو اور کم حوصلہ معلم ویسے ہی شاگردوں کی تربیت کر پاتا ہے جیسا خود ہے ۔ چاہے وہ کسی بھی موضوع کی تدریس کرتا ہو۔ لہٰذا ادارہ تعلیم و تربیت اور معلم پر توجہ دینا اور ان کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

معلم اور استاد کے سلسلے سے ہم نے جو کچھ بھی عرض کیا اسکے مخاطب ہمارے ملک کے تمام لوگ ہیں۔ طالب علموں کو بھی معلم کی اہمیت کا اندازہ ہونا چاہیے اور اسی طرح ان کے والدین اور ملک کے سیاسی عہدیداران کو بھی ان کی عظمت وفضیلت کو سمجھنا چاہیے۔ پہلے مرحلے میں سبھی کو معلم کی قدر جاننی چاہیے لیکن ان سب سے زیادہ خود

معلمین کو اپنی قدر و منزلت کا احساس ہونا چاہیے۔

معلم کو سمجھنا چاہیے کہ وہ کس حساس مرحلے پر مصروف خدمت ہے۔ آپ تمام معلم حضرات کوئی ایسی صنف نہیں جو دیگر اصناف کے ہم پلہ ہوں۔ اسے ایک ایسے مشغلہ کی صورت میں نہ دیکھیں جس کے ذریعہ انسان کی روزی روٹی فراہم ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ مشغلہ روزی کا سبب بھی ہے لیکن معلم کی نظر میں یہ عہدہ اس عظیم ذمہ داری کی شکل میں ہونا چاہئے جسے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا۔

اگر ہم معلم کی اہمیت پر کوئی معقول اور بجا مثال دینا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ریلوے لائن میں جھنڈی دکھانے والے شخص کا کردار ممکن ہے کہ ظاہری طور پر کم اہمیت نظر آئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہزاروں افراد کی زندگی و موت اسی جھنڈی دکھانے والے کی ہوشیاری اور مستعدی پر منحصر ہے یعنی اگر وہ غفلت سے کام لے تو گویا صرف اس نے اپنے مشغلے میں غفلت نہیں کی ہے بلکہ وہ ہزاروں افراد کی جان کی نسبت غفلت کر بیٹھا ہے۔ معلم کا کردار بھی کچھ ایسا ہی ہے اور خود ایک معلم اور استاد کو اس بات کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

البتہ معلموں اور استادوں کے طبقے کے بارے میں جو مجھے اطلاع ہے وہ کافی خوش آئند ہے۔ ہمارے ملک کے استادوں کا طبقہ ایک پاکیزہ، پاکدامن، فرض شناس، کوشا، صابر اور اپنے مشغلے سے محبت کرنے والا طبقہ ہے۔

اس کی واضح دلیل یہی ہے کہ ہم نے ملک کے تمام حساس مراحل منجملہ مقدس دفاع کے دوران یہ مشاہدہ کیا ہے کہ استادوں نے طالب علموں کی ہدایت میں بہترین کردار ادا کیا۔ اس تمام مدت میں اور ۲۵ سال کے عرصہ میں یعنی ٹھیک اسوقت سے جب میں صدر مملکت بنایا گیا تھا اور انقلاب کی ثقافتی کمیٹی میں مشغول خدمت تھا میں نے ان تمام حوادث و واقعات کا نزدیک سے جائزہ لیا ہے۔ دشمن کی سازشوں کا ایک نشانہ معلموں اور استادوں کا یہی طبقہ تھا۔ میں نے اس سال کے آغاز میں یہ عرض کیا تھا کہ دشمن ہماری قوم کو علمی و اقتصادی پسماندگی کا شکار بنانا چاہتا ہے اور اس قوم کے اتحاد کو توڑنا چاہتا ہے۔

ڈالر خرچ کئے جا رہے ہیں، مختلف عناصر کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ جاسوسی کے اداروں کے آزمودہ اور تجربہ کار افراد سے کام لیا جا رہا ہے تا کہ کسی طرح مذکورہ تینوں مقاصد تک رسائی حاصل ہو سکے یعنی دشمن چاہتا ہے کہ ہم اقتصادی لحاظ سے پسماندہ ہو جائیں، علمی میدان میں بھی اپنی ترقیاتی کاوشوں سے دستبردار ہو جائیں اور اتحاد بھی افتراق و اختلاف میں تبدیل ہو جائے اور ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو جائیں۔ دشمن ان تینوں مقاصد تک پہنچنا چاہتا ہے۔

ان تینوں مقاصد میں سے دو حصوں میں دشمن کا ایک اہم نشانہ استادوں کا طبقہ ہے یعنی علمی ترقی کے مرحلہ میں نیز اتحاد کے مرحلہ میں۔ بیس پچیس سال پہلے سے ہی یہ سازشیں ہو رہی ہیں اور میں نے خود اس بات کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان سازشوں کے مدمقابل استادوں کا طبقہ کوہ محکم بنا ہوا ہے۔ میں نے اسی لئے عرض کیا کہ معلم حضرات پاکیزہ ہیں۔

دشمن نے لاکھ کوششیں کیں کہ انہی استادوں کے ذریعے عوام میں اختلاف و تفرقے کو ہوا دی جائے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ نہ وہ کبھی کامیاب ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اس لئے کہ استادوں اور معلموں کا طبقہ آج بھی سینہ سپر ہے۔

ملک ترقی کی طرف تیزی سے گامزن ہے اور تمام علمی، سیاسی، فوجی اور اقتصادی میدانوں میں تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ اسلامی نظام یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ ایک محکم، موثر اور اندرونی قدرت و توانائی میں اضافہ کرنے والا نظام ہے۔ ایسا نظام نہیں ہے جو بعض کمزور و ناتواں ممالک اور بے اثر سیاستدانوں کی قسمت بن چکا ہے اور جو دوسری طاقتوں کی حمایت کا نتیجہ ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ اسلامی جمہوریہ ایران کا نظام اور اقتدار اندر سے مضبوط و محکم ہیں اور اس کی بنیادوں میں استحکام پایا جاتا ہے۔ ہم ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں اور ہماری رفتار بھی سست نہیں ہے۔

دنیا کی ظالم طاقتیں اس استقامت کو پسند نہیں کرتیں۔ ان میں دو چار ممالک کے حکمران شامل نہیں ہیں بلکہ دنیا کے سب سے بڑے ظالم تو وہ ہیں جو عالمی سامراج

کے نظام کو چلا رہے ہیں ویسے ان ممالک میں صرف ظاہری آزادی ہے، حقیقت میں آزادی نہیں ہے لیکن بین الاقوامی سطح پر ان کا رویہ کسی ڈکٹیٹر سے کم نہیں ہے۔ وہ ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی قوم کسی ایسے نظام کو وجود میں لائے جو ان کی سیاست اور ان کے خواہشوں کے برخلاف ہو۔ وہ اس بات کا بخوبی مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دنیا کے دیگر مسلمان بھی ایران میں موجود طاقتور اسلامی نظام سے متاثر ہیں۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس دور میں ایران کے صدر مملکت یا ملک کے دیگر اعلیٰ عہدیدار اگر کسی مسلمان ملک میں داخل ہوتے ہیں اور ان کو وہاں کے لوگوں سے ملاقات کا موقع ملتا ہے تو ان کے لئے لوگوں میں کس قدر جوش وخروش پایا جاتا ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟ کیوں دیگر مسلمان مملک کے لوگ ان کی نسبت ٹھیک اسی طرح والہانہ عشق کا اظہار کرتے ہیں جس طرح خود اپنے ملک کے عہدیداروں کے لئے جذبات رکھتے ہیں۔

اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ایران کی ملت نے دنیائے اسلام پر اپنی عظیم تحریک کا اثر چھوڑا ہے۔

شجاعت، استقامت، فداکاری اور قول وعمل میں صداقت یہ ایسے عناصر ہیں جو بےنظیر اثر رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بہت سے ممالک کے سیاسی رہنما یہ چاہتے ہوں کہ اسلامی جمہوریہ کے تن پر سر نہ رہے لیکن وہاں کی قومیں سو فیصدی ان کے برخلاف اسلامی جمہوریہ سے وابستگی رکھتی ہیں۔ایسے ممالک ہمارے ہی علاقہ میں موجود ہیں۔عالمی استکبار بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے۔

ہم کچھ اس طرح سے ترقی کے مراحل طے کر رہے ہیں لیکن اگر ہماری یہ تحریک عقل، شجاعت، توکل اور احساس ذمہ داری پر استوار نہ ہو تو یقیناً نقصان دہ ثابت ہوگی۔ خواہ وہ تعلیم وتربیت کا ادارہ ہو یا پھر کوئی اور منزل۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

قاریانِ قرآن کو ہدایات

آج قرآن پر عمل کرنے والے بیتاب ہیں

ان قرآنی محفلوں، قرآنی نشستوں، قرآنی مقابلوں اور ملک بھر سے قاریوں کو مدعوں کرنے کے پیچھے ہمارا ہدف یہ ہے کہ اس منزل سے نزدیک ہوں۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کی قربت حاصل کریں، عمل ومعرفت کی قربت، ہمارا ارادہ یہ ہونا چاہئے۔ آج دنیا قرآن پر عمل کے لئے بیتاب ہے لیکن دشمنوں کے لئے یہ دیکھنا گوارا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام دشمن عناصر کبھی کھل کر نہیں کہیں گے ہم قرآن کے دشمن ہیں، ہم اسلام کے دشمن ہیں۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ

وہ اللہ کے ساتھ بھی اور دھوکہ کرتے ہیں بندگان خدا کو بھی فریب دیتے ہیں۔ [1]

وہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام کے طرفدار ہیں لیکن ٹھیک اسی نقطے پر حملہ کرتے ہیں جو اسلام ہم سے چاہتا ہے۔

---

[1] سورۂ البقرہ:۹

قاری کو آیت کے مفہوم کی طرف توجہ دینا چاہیے

تلاوت کلام پاک کے سلسلے میں ایک مشکل، کہ جس کی جانب اب توجہ دی جا رہی ہے، قاری کا آیت کے مفہوم پر توجہ نہ دینا ہے۔ اگر آپ آیت کے مفہوم سے واقفیت رکھتے ہیں تو قرأت کے وقت آپ کے وجود پر اس کا اثر نمایاں رہے گا اور اس اثر سے آپ کی آواز، آپ کا لہجہ، آپ کے حرکات وسکنات سب متاثر ہوں گے۔ اسی طرح حاضرین پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔ جیسے فارسی اشعار پڑھنے والے، جب فارسی شعر پڑھتے ہیں تو ان کے وجود پر اشعار کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس صورت میں ان کی آواز کی کشش اور تاثیر بڑھ جاتی ہے۔ قرآن کی تلاوت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ مصر کے قاری چونکہ اس زاوئے پر خاص توجہ دیتے ہیں اس لئے ان کی آواز کی دلنشینی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس نکتے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ قرآن کی تلاوت کی کیفیت پر اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔

اچھی تلاوت لوگوں کو قرآن سے زیادہ نزدیک کرتی ہے

میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ اچھی آواز اور اچھے انداز میں تلاوت کلام پاک سے لوگوں کے قلوب وافکار قرآن سے زیادہ قریب آتے ہیں۔ یہ کوئی رسمی عمل نہیں ہے، یہ رسم کی ادائیگی نہیں ہے۔ اگر ہم غور کریں تو یہ ایک منطقی اور دانشمندانہ عمل ہے جس کا مقصد قرآنی تعلیمات کو عام کرنا ہے۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ قاریان قرآن کا مجمع ہے اور خاص قرآنی لہجے میں تلاوت سے دلچسپی رکھنے والوں کا اجتماع ہے تو یہاں پر میرا خطاب آپ لوگوں سے ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس میدان میں آگے بڑھئے اور اس کے لئے راہ ہموار کیجئے۔ آج مجھے جو تلاوت سننے کو ملی اس سے اندازہ ہوتا

ہے کہ ماضی کے مقابلے میں اب بہت بہتری آ چکی ہے۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم پیشرفت کررہے ہیں۔انہیں نوجوان قاریوں میں سے بعض کی قرئت کبھی کبھی ریڈیواورٹی وی پرنشر ہوتی ہے اور میں کبھی کبھی سنتا بھی ہوں۔ یہ ہماری پیشرفت کی علامت ہے۔ البتہ دوسرے کاموں کی مانند اس کی بھی کچھ شرطیں ہیں جن پرتوجہ رکھنا ضروری ہے

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مبلغین کو ہدایات

مبلغ دوسروں کو تبلیغ کرنے سے قبل خود کو تبلیغ کرے

جو چیز اہل منبر حضرات کے درمیان، چاہے ان کا اصل کام یہی ہو یا اصلی کام کچھ اور ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ کام بھی کرتے ہوں، ظاہر ہونی چاہئے، یہ ہے کہ اگر ہم عوام کے درمیان موعظہ کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ پہلے ہم خود اپنے نفس کو موعظہ کریں۔ جو شخص منبر پر جا کے دین کی باتیں کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے نفس کو پاکیزہ بنائے تاکہ اس کی باتیں دل سے نکلیں اور دل میں اتر جائیں۔ اس کا عمل اس کی باتوں کی تائید کرے اور اس پر گواہ ہو۔

چونکہ مبلغ، اسلامی مسائل میں لوگوں کی معلومات بڑھانا چاہتا ہے اس لئے، اس کی معلومات اور دینی بینش کا وسیع تر ہونا ضروری ہے۔ اسے قرآن سے مانوس ہونا چاہئے، احادیث پر غور و فکر کرنے والا ہونا چاہئے، دین اور مذہب کے تعلق سے نئے افکار سے آگاہ ہونا چاہئے اور دینی مسائل اور دینی افکار کے سلسلے میں اہل تحقیق ہونا چاہئے۔ صرف دین سے ہی واقفیت ضروری نہیں ہے بلکہ دینی مسائل کے ساتھ ہی، فلسفیانہ افکار اور سماجی بینش سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ چونکہ لوگوں کو جہاد اور جدوجہد کے نمونے سے آگاہ کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس سلسلے میں بہت زیادہ دقت نظر سے کام

لینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حسین ابن علی علیہ السلام کی زندگی اور کربلا میں آپ کا قربانی کا چندروزہ واقعہ، ہماری تاریخ کا عظیم باب ہے۔ اس کا حجم کم لیکن اس میں مضمر مفاہیم بہت وسیع اور عمیق ہیں۔

حسین ابن علی علیہ السلام کا ماجرا، درحقیقت اسلامی قرون میں صحیح اسلامی افکار کی سمت حرکت کی ''قوت محرکہ'' ہے۔ ہر حریت پسند، ہر مجاہد فی سبیل اللہ اور ہر اس فرد نے جو جدوجہد کرنا چاہتا تھا، اس واقعے سے سبق لیا اور اس کو اپنی روحانی اور معنوی بنیاد قرار دیا ہے۔ ہمارے انقلاب میں یہ بات بہت واضح ہے۔ پتہ نہیں اگر ہمارے پاس یہ واقعہ نہ ہوتا تو ہم اس معرکے میں کیا کرتے۔ یہ خود ایک قابل غور اور وسیع باب ہے کہ ہمارے انقلاب میں، واقعہ عاشورا اور مجاہدت سید الشہداء علیہ الصلواۃ والسلام سے تمسک نے کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ انسان جب اس پر غور کرتا ہے تو اس واقعے کی تاثیر کی عظمت سے مبہوت ہو جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ جو لوگ اس سے محروم ہیں وہ اس خلاء کو کیسے پر کر سکتے ہیں۔

یہ تین باتیں خطابت کے تعلق سے، یعنی موعظہ، اسلامی تعلیمات کا بیان اور اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل پیش کرنا۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک لازمہ اور خطیب کے نفس سے ایک تقاضہ ہے۔ بنابریں اس کام کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔ ماضی میں ہم میں سے بعض کے ذہنوں میں غلط تصور تھا جو بعد میں الحمد للہ دور ہو گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر کوئی اہل علم اور مجتہد ہے تو اہل منبر اور مجلس پڑھنے والا نہیں ہو سکتا۔ ہم ان دونوں کو الگ الگ سطح پر دیکھتے تھے۔ جو ان تین فرائض کو انجام دینا چاہے، کتنا بہتر ہو کہ دینی تعلیمات، فقہ اور دینی تعلیم کے مراکز میں رائج علوم وفنون میں جو احکام سمجھنے کا معیار ہیں، اونچی اور اعلی سطح پر فائز ہو۔ خطابت کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

ہمارے معاشرے میں منبر کی تاثیر کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ آپ ہمارے معاشرے پر ایک نظر ڈالیں، دیکھیں کہ کہاں وہ جگہ ہے جہاں ابوعبداللہ علیہ السلام کے

نام کا منبر نہ ہو؟ بڑے شہروں اور زیادہ آبادی والے مراکز سے لیکر دور دراز کے دیہی علاقوں، حتیٰ دور افتادہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں، یونیورسٹیوں میں، سائنسدانوں کے درمیان، جدید علوم سے آراستہ لوگوں کی انجمنوں میں اور ملک کے تمام علاقوں میں زمانہ حاضر کے علوم و تعلیمات سے دور عوام کے درمیان، ابوعبداللہ علیہ السلام کا منبر کہاں نہیں ہے؟ کون سی ایسی جگہ ہے جہاں موقع پر خطیب منبر پر نہ جاتا ہو اور مجلس نہ پڑھتا ہو؟ بنابریں ہمارا پورا شیعہ معاشرہ، امام حسین علیہ السلام کے زیر سایہ ہے۔ البتہ مجلس امام حسین علیہ السلام شیعوں سے ہی مخصوص نہیں ہے، دنیا کے بہت سے علاقوں میں غیر شیعہ بلکہ غیر مسلم افراد بھی اس فیض سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

گذشتہ چند صدیوں سے ہمارے ملک میں دین کے بارے میں یہ بینش اور تبلیغ حسین ابن علی علیہ السلام کے نام سے منسوب ہے اور اس چیز نے عوام کے درمیان دین کی تبلیغ کو باقی رکھا ہے۔ یہ سلسلہ ہمارے انقلاب میں بہت کارآمد ثابت ہوا۔ ملک کی سطح پر موجود اس منظم سلسلے سے انقلابی فکر، جو واقعہ عاشورا سے ماخوذ تھی، ہر جگہ پھیل گئی اور لوگوں کو میدان میں لائی۔ اگر اس سلسلے میں ہمارے ملک کا دوسرے اسلامی ملکوں سے موازنہ کریں، جہاں امام حسین علیہ السلام کا نام نہیں لیا جاتا، تو دونوں کے درمیان آپ کو واضح فرق نظر آئے گا۔ یہ خصوصیت ہمارے معاشرے کو عطا ہوئی ہے۔

بنابریں ہمارے معاشرے کے فکری، دینی اور سماجی تانے بانے کی یہ ایک موثر بنیاد ہے۔ یہ مرکز اور یہ ادارہ ماضی میں بھی موثر رہا ہے لیکن کسی قاعدے، قانون اور ضابطے کے تحت نہیں تھا۔ ملک میں دینی افکار کو پیش کرنے کا کوئی پلیٹ فارم نہیں تھا۔ اس کے علاوہ، ملک کے ذرائع ابلاغ عامہ میں، صرف ایام عاشورا میں وہ بھی بہت معمولی سطح پر سینہ زنی وغیرہ کی شکل میں ان مسائل کو پیش کرتے تھے۔ سنتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اکثر غلط اور انحرافی باتیں ہیں۔

آج یہ پلیٹ فارم تفسیر قرآن، اسلامی تعلیمات، فلسفیانہ و عرفانی مسائل اور

تعلیمات آل محمد (علیہم الصلواۃ والسلام) کو پیش کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ بنابریں یہ ایک طرف تو خطبائے دین کے لئے ایک نیا وسیلہ ہے دوسری طرف علمائے کرام اور خطیبوں کو یہ موقع ملا ہے کہ ایک فریضے کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کی اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ عوام کے سامنے آزادی سے تشریح کریں۔ ماضی میں ایسا نہیں تھا۔ کچھ باتیں کہی جا سکتی تھیں اور کچھ باتیں نہیں کہی جا سکتی تھیں۔ نہیں کہنے دیتے تھے لیکن آج ایسا نہیں ہے۔

میرا خیال ہے کہ آج منبر کی نسبت ہمارے اوپر ایک نیا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ آج اس کے لئے قواعد وضوابط تیار کرنا ضروری ہے۔ یہ قواعد وضوابط زمانے کے حالات سے باخبر فضلائے کرام اور عرصہ دراز سے اس میدان اور فن کی خدمت کرنے والوں کو جنہوں نے اس کے تمام جوانب کا جائزہ لیا ہے، تیار کرنا چاہئے۔ کوئی بھی کمزور بات نہ کہی جائے۔ فوائد سے پر باتوں کی جگہ کوئی بھی بے فائدہ یا کم فائدے والی بات بیان نہ کی جائے۔ زمانے کے تقاضے اور عوام کی دینی تعلیمات کی ضرورت کو مدنظر رکھا جائے۔ عاشورا کا واقعہ جو اللہ کی راہ میں جہاد اور مجاہدت کے تعلق سے تمام تعلیمات کا سرچشمہ اور ہمارے انقلاب کی بنیاد ہے، بہت اچھے انداز میں بیان کیا جائے۔ اس میں حقائق کی تجلی ہو اور ان باتوں کو جو زبان وقلم نے اس میں اپنی طرف سے بڑھائی ہیں، بیان کرنے سے گریز کیا جائے۔ عاشورا کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اتنے عظیم واقعے میں خرافات کو شامل کرنے کے بعد اس سے مکمل تاثیر کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

آپ کے پاس آج جو سہولتیں ہیں وہ مداحان اہلبیت اور ان کے فضائل و مصائب بیان کرنے والے خطیبوں کو کب حاصل تھیں؟ علمائے کرام کو آج اس کام پر نگرانی کا جو موقع ملا ہے وہ اس سے پہلے کب حاصل تھا؟ البتہ ایسے لوگ بھی ہیں جو ان باتوں سے خوش نہیں ہوں گے۔ نہ ہوں، کوئی حرج نہیں ہے۔ جو رضائے خدا کا باعث ہے، عوام کی ضرورت اور ہماری آئندہ نسلوں کی توقع کے مطابق ہے، اس پر توجہ ہونی

چاہئے۔

تقریباً سو سال قبل الحاج میرزا حسین نوری مرحوم نے ''لولو و مرجان'' کے نام سے مجلس حسین کے منبر کے پہلے اور دوسرے زینے کی شرائط کے بارے میں ایک کتاب لکھی۔ اس زمانے میں ایک مخلص، روشن فکر اور صاحب علم محدث کو یہ فکر تھی کہ منبر کے پہلے اور دوسرے زینے میں سے ہر ایک کے لئے بعض آداب ہیں۔ اس میدان میں بغیر آداب کی پابندی کے نہیں آیا جا سکتا۔ شاید اس زمانے میں مرثیہ خوان منبر کے پہلے زینے پر اور واعظین دوسرے زینے پر بیٹھتے تھے۔

اس زمانے میں حاج میرزا حسین نوری مرحوم نے یہ کتاب لکھی۔ ان کے پیش نظر اس زمانے کا محدود منظر نامہ تھا لیکن آج آپ کے سامنے وسیع تر منظر ہے اور آپ ان شرائط پر عمل کر سکتے ہیں۔ کون منبر پر جانے کا مجاز اور اس کام پر نگرانی رکھنے والے مرکز کے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے؟ اسے کیا کہنا چاہئے؟ کب اور کہاں کہنا چاہئے؟ یہ مسودہ تیار کرنے اور لوگوں کو دینے کے مترادف نہیں ہے۔ اسلامی ملکوں میں یہ ہوتا ہے کہ سرکاری کارندے، مسودہ لکھ کے امام جمعہ کو دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے پڑھو۔ نہیں، فکر، مطالعہ، جائزہ اور اساتیدِ فن اور اسلاف سے استفادہ ضروری ہے جو معیاروں کے ساتھ، مناسب انداز میں، صحیح طریقے سے مجلس پڑھنے کی غرض سے انجام پانا چاہئے۔

آج بہت سے شعبوں میں ضابطہ پایا جاتا ہے۔ خوش قسمتی سے دینی تعلیم کے مراکز خاص طور پر قم کے دینی تعلیم کے مرکز میں نظم لانے اور درجہ بندی کا کام ہو رہا ہے۔ یہ بہت مبارک کام ہے جو اگر چہ دیر میں شروع ہوا مگر سرانجام شروع تو ہوا۔ اس میدان میں بھی یہ کام ہونا چاہئے۔ البتہ مشکل کام ہے۔ اس کے لئے کافی غور و فکر محنت اور لگاتار کام کی ضرورت ہے لیکن یہ کام ہونا چاہئے۔ جو نسل ہماری دینی باتوں سے بہرہ مند ہونا چاہتی ہے اگر ہم نے اس کو اس کا موقع نہ دیا تو ہمیں معاف نہیں کرے گی۔

آج دنیا عوام کی ضرورت کے جدید ترین مسائل اور علوم میں لحظہ بہ لحظہ نئی روشیں

بروئے کار لاتی ہے۔ بہت سے علوم میں جن پر تبادلہ خیال اور اظہار رائے ہوتا ہے، ایک نظریہ جو آپ نے آج پڑھا ہے، ایک مہینے کے بعد آخری نظرئے کے عنوان سے اس کا حوالہ نہیں دے سکتے۔ روشیں مستقل بدل رہی ہیں اور نئی نئی باتیں سامنے آرہی ہیں۔

ہم اس روش سے جو پچاس سال اور سو سال پہلے رائج تھی، عوام سے اپنی بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ حتی انقلاب سے پہلے کے زمانے اور آج میں فرق ہے۔ انقلاب سے پہلے سن چھہتر، ستتر اور اٹھہتر، اناسی عیسوی (76,77,78,79) میں جو خطابت مفید اور موثر ہوسکتی تھی، ممکن ہے کہ آج ہر جگہ اتنی مفید اور موثر نہ ہو۔ البتہ بعض باتیں ایسی ہیں کہ جو جس زبان میں بھی اور جن حالات میں بھی بیان کی جائیں اثر رکھتی ہیں لیکن ہر بات کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو میں خطابت اور اہل منبر حضرات کے سلسلے میں عرض کرنا چاہتا تھا۔ جس کا خلاصہ، مطالب، مفاہیم، انداز، روش اور اسلوب کے لحاظ سے اس باشرف فن کا ارتقاء ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

آج کے دور میں علماء اور واعظین کی ذمہ داریاں

آج ایسے لوگ ہیں جو علماء، واعظین اور مبلغین وغیرہ کی زبان سے عاشورا کے واقعے کو ایک درس کے عنوان سے اور ایک یاد اور واقعے کی تشریح کی حیثیت سے سننا چاہتے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں کیا کریں گے؟ یہاں ہم تبلیغ کے بہت اہم مسئلے تک پہنچتے ہیں۔ اگر کسی دن یہ نوجوان طلبا، حوزہ علمیہ کے فضلاء، مبلغین، واعظین، ذاکرین اور مرثیہ خوانی ونوحہ خوانی کرنے والے، عاشورا کے واقعے سے بنی نوع انسان کی زندگی پر سایہ فگن ظلم کے خلاف ایک حربے کے طور پر کام لے سکے، تو اس تیز دھار شمشیر الٰہی سے ظلم کے پردے چاک کر کے، خورشید حقیقت کو حاکمیت اسلام کی شکل میں واضح اور آشکارا کر سکیں گے۔ یہ حقیقت ہمارے زمانے میں رونما ہوئی ہے۔ یہ توقع کیوں نہ رکھی جائے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں، چاہے اس دور میں دشمن کے پروپیگنڈے کتنے ہی سخت اور ہمہ گیر اور تاریکی کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو، مبلغین، علمائے دین اور ذاکرین ہر باطل کے خلاف شمشیر حق اور ذوالفقار علوی اور ولایتی کو اپنے ہاتھ میں لے کے اس سے کام لے سکتے ہیں؟ ہم اس کام کو ناممکن کیوں سمجھیں؟ صحیح ہے کہ آج دشمن کے پروپیگنڈوں نے فکر و ذہن بشر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اس میں شک نہیں ہے، صحیح ہے کہ اسلام بالخصوص تشیع کی شبیہ بگاڑنے کے لئے کافی مال و دولت خرچ کیا جا رہا ہے، صحیح ہے کہ جس کے بھی، اقوام کی زندگی اور ملکوں میں غیر قانونی و ناجائز مفادات ہیں، وہ اپنے لئے اسلام

اور اسلامی حکومت کے خلاف سرگرمیوں کو ضروری سمجھتا ہے، صحیح ہے کہ کفر اپنے تمام اختلاف وتفرقے کے باوجود ایک بات پر متفق ہے اور وہ حقیقی اسلام کی مخالفت ہے اور وہ حتیٰ تحریف شدہ اسلام کو بھی حقیقی اسلام سے جنگ کے میدان میں لے آیا ہے، یہ سب صحیح ہے، لیکن کیا جماعت حق اور حقیقی اسلامی محاذ ان دشمنانہ اور خبیثانہ پروپیگنڈوں کے مقابلے میں، روح و پیغام عاشورا نیز پیغام محرم کی برکت سے ایک بار پھر اسی معجزے کی تکرار نہیں کرسکتا؟ کیوں نہیں کرسکتا؟ سخت ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ ہمت اور فدا کاری کی ضرورت ہے۔ راستہ کھلا ہوا ہے، بند نہیں ہے۔

ہماری اور آپ کی ذمہ داری یہ ہے۔ آج دنیا تشنۂ حقیقت ہے۔ یہ ایک عالم یا ایک متعصب اسلامی شخصیت کی بات نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کا کہنا ہے جو برسوں مغربی ثقافت سے رابطے میں رہے ہیں، وہاں رفت و آمد کرتے رہے ہیں، لین دین کرتے رہے ہیں اور حتیٰ اس کی نسبت حسن ظن بھی رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آج مغربی دنیا اپنی ''حساس سطح'' پر تشنۂ اسلام ہے۔ ''حساس سطح'' کیا ہے؟ کوئی عام اور غافل جماعت یا فرض کریں، وہ جماعتیں جن کے مفادات کا مسئلہ درپیش ہے، جیسے حکام، سرمایہ دار، دولت وثروت جمع کرنے والے، زور زبردستی کرنے والے، مغربی معاشروں اور مغربی ثقافت کے پیکر کے سخت اور دیر میں احساس کرنے والے حصے ہیں، دانشور، پڑھے لکھے، مفکر، زندہ ضمیر، روشن فکر حضرات اور نوجوان، مغربی معاشروں کے پیکر کے حساس حصے ہیں۔ یہ حساس حصے، آج زندگی میں ایسے درس اور مکتب کے متلاشی ہیں جو انہیں زندگی کی ہزاروں حقیقی مشکلات سے نجات دلا سکے۔ زندگی کی بہت سی مشکلات حقیقی نہیں ہیں۔ حقیقی مشکل، روحانی عدم تحفظ کا احساس، اکیلاپن، افسردگی، تزلزل، عدم اطمینان، اور روحانی سکون کا فقدان ہے۔ یہ انسان کی حقیقی مشکلات ہیں جو دولت وثروت کی فراوانی میں بھی انسان کو خودکشی کی طرف لے جاتی ہیں۔ ایک نوجوان دولت وثروت اور زندگی کی تمام نعمتوں اور سہولتوں سے بہرہ مند ہونے کے باوجود خودکشی کرلیتا ہے۔ کیوں؟ اس کو

تکلیف کیا ہے؟ اس کا درد کیا ہے جو غربت و ناداری اور جسمانی و جنسی لذات کی سہولتوں کے فقدان سے بھی زیادہ سخت ہے؟ یہ وہ درد ہے جس میں مغربی تمدن اور مادی معاشرے مبتلا ہیں۔ اطمینان و سکون کا فقدان، روحانی توکل کے کسی نقطے کا نہ ہونا، انسانوں کے درمیان انس و محبت کا ناپید ہونا، تنہائی اور پستی کا احساس۔ معاشرے کے حساس حصے ان مشکلات کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ وہ کسی دست نجات کے منتظر ہیں جو آکے انہیں اس حالت سے نجات دلائے۔ جہاں آگہی ہے وہیں نگاہیں اسلام پر لگی ہوئی ہیں۔ البتہ ان میں سے کچھ، آگاہ نہیں ہیں، وہ اسلام کو نہیں پہچانتے لیکن اسلام کی طرف ان کے جھکنے کا امکان ہے۔ جو اسلام کو پہنچانتے ہیں، وہ واضح طور پر اسلام پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ایک ایرانی دانشور نے خود مجھ سے کہا تھا، میں نے سنا ہے، کہ وہ مرحوم ہو گئے، کہ ''آج مغرب شیخ انصاری اور ملا صدرا جیسی ہستیوں کا متلاشی ہے۔'' ان کی زندگی، ان کی روحانیت اور ان کی اقدار آج مغربی شخصیات اور مفکرین کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ معرفت عاشورا، ان حقائق، اقدار اور اسلامی تعلیمات کا عظیم منبع اور بلند ترین چوٹی ہے۔ اس کی قدر کو سمجھنا چاہئے۔ ہم ان تعلیمات اور اقدار کو دنیا کی آنکھوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ میں یہاں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جنھوں نے گذشتہ سال میری درخواست قبول کی اور عاشورا کی عزاداری سے ایک تحریف شدہ اقدام کو ختم کیا، ایک بار پھر چاہوں گا کہ اسی مسئلے پر زور دیں۔ میرے عزیزو! حسین بن علی علیہ الصلوۃ والسلام کے مومنین! آج حسین بن علیؑ دنیا کو نجات دلا سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ تحریف کر کے ان کی شبیہ بگاڑی نہ جائے۔ اس بات کی اجازت نہ دیں کہ غلط اور تحریف آمیز کام اور باتیں، آنکھوں اور دلوں کو حضرت سید الشہداء کے روئے مبارک سے ہٹا سکیں۔ تحریف کی مخالفت کریں۔

میں اختصار کے ساتھ دو باتیں عرض کروں گا۔ ایک یہ کہ عاشورا اور حسین بن علی علیہ الصلوۃ والسلام کا واقعہ منبر سے روایتی انداز میں بیان کیا جائے لیکن قدامت

پرستی کے لئے نہیں بلکہ واقعہ بیانی کی جائے، یعنی یہ کہ شب عاشورا یہ ہوا، عاشورا کے دن یہ واقعہ رونما ہوا، عاشور کی صبح یہ ہوا۔ آپ دیکھیں کہ بڑے سے بڑا واقعہ زمانہ گزرنے کے ساتھ فراموش ہوجاتا ہے لیکن واقعۂ عاشورا اسی ذاکری اور واقعہ بیانی کی برکت سے اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ آج بھی باقی ہے۔ وہ اس طرح آئے اور امام سے رخصت ہوئے، اس طرح میدان میں گئے، اس طرح جنگ کی، اس طرح شہید ہوئے، اور ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے۔

واقعہ بیانی، حتی الامکان، یقینی ہونی چاہئے۔ یعنی وہ واقعات بیان کئے جائیں جو ''لہوف'' ابن طاؤس یا ''ارشاد'' شیخ مفید وغیرہ میں ہیں۔ گھڑی ہوئی باتیں بیان نہ کی جائیں۔ بلکہ ذاکری اور واقعہ بیانی ہو۔ مجلس میں، خطابت، فضائل ومصائب کا بیان، نوحہ خوانی وسینہ زنی ہو اور خطابت ایسی ہو کہ لوگ اس سے کچھ سیکھیں، امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کا واقعہ اور ہدف بیان کیا جائے، یعنی وہی ہدف جو خود آپ کے کلمات میں بیان کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا:

امام نے مدینے سے مکہ کی طرف روانگی کے وقت یہ وصیت نامہ لکھا، اس پر اپنی مہر ثبت کی اور اپنے بھائی محمد حنفیہ کے حوالے کیا۔

یہ وصیت حسین ابن علی کی طرف سے بھائی محمد حنفیہ کے نام۔ حسین توحید و یگانگتِ پروردگار کی اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد خدا کے عبد اور اس کے رسول ہیں اور آپ آئین حق (اسلام) خدا کی طرف سے لوگوں کے لئے لائے ہیں اور یہ کہ بہشت و دوزخ حق ہے۔ روزِ جزا بغیر کسی شک کے وقوع پذیر ہوگا اور خداوند عالم تمام انسانوں کو اس دن دوبارہ زندہ کرے گا"۔ امام نے اس وصیت نامے میں توحید ونبوت ومعاد کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرنے کے بعد اپنے سفر کے مقاصد اس طرح بیان فرمائے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میں خودخواہی یا سیر وتفریح کے لئے مدینہ سے نہیں نکل رہا اور نہ ہی میرے سفر کا مقصد فساد اور ظلم ہے بلکہ میرے اس سفر کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے اس سفر کے دوران امت کے مفاسد کی اصلاح کروں۔ اپنے جدامجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوانین اور ان کی سنتوں کو زندہ کروں اور اپنے پدر بزرگوار علی کا راستہ اور ان کا طرز عمل اپناؤں۔ پس جو شخص یہ حقیقت قبول کرتا ہے (اور میری پیروی کرتا ہے) اس نے گویا راہ خداد کو قبول کیا اور جو شخص بھی میرے اس ہدف اور میری اس آرزو کو رد کرتا ہے (میری پیروی نہیں کرتا) میں صبر و استقامت کے ساتھ اپنا راستہ اختیار رکھوں گا یہاں تک کہ خداوند عالم میرے اور ان افراد کے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا اور حاکم مطلق ہے۔ بھائی یہ میری وصیت آپ کے لئے ہے اور خداوند تعالٰی سے توفیق کا طلبگار ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف میری بازگشت ہے

یہ چیز گھر میں بیٹھ کے، دنیا اور دنیوی لذات میں ڈوب کے اور راہ حسینؑ سے غافل ہو کے، نہیں مل سکتی بلکہ راہ حسین علیہ السلام پر چلنا پڑے گا اور اس راہ پر چلنے کا آغاز اپنے باطن سے، نفس سے ہونا چاہئے اور پھر معاشرے اور عالم کی سطح تک اس کو پھیلانا چاہئے۔

یہ باتیں بیان ہونی چاہئے۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے اہداف ہیں۔ یہ تحریک حسینی کا خلاصہ اور اس سے نتیجہ اخذ کرنا ہے۔ تحریک حسینی کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانے میں جب پوری دنیا ظلم و جور کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، ظلم و جور اس پر مسلط تھا،

کوئی بھی حقیقت بیان کرنے کی جرات نہیں کرتا تھا، فضا اور زمین و زمان، سب سیاہ اندھیرے میں غرق تھے، اس وقت امام حسین نے قیام کیا۔ آپ دیکھیں کہ ''ابن عباس'' امام حسین کے ساتھ نہیں آئے۔ ''عبداللہ بن جعفر'' امام حسین کے ساتھ نہیں آئے۔

اس کا مطلب کیا ہے؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کس حال میں تھی؟ اس حالت میں امام حسین اکیلے تھے۔ البتہ تھوڑے سے لوگ آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ اگر وہ بھی نہ رہتے تو بھی آپ قیام کرتے۔ کیا یہ غلط ہے؟ فرض کریں شب عاشورا جب حضرت نے فرمایا کہ ''میں نے تم سے بیعت اٹھالی، جاؤ'' اور سب چلے جاتے، حضرت ابوالفضل اور علی اکبر بھی چلے جاتے اور حضرت اکیلے رہ جاتے، تو عاشورا کے دن کیا ہوتا؟ حضرت واپس ہوجاتے؟ یا رک کے جنگ کرتے؟ ہمارے زمانے میں ایک فرد ایسی ملی جس نے کہا ''اگر میں اکیلا رہ جاؤں اور پوری دنیا میرے مقابلے پر آجائے تو بھی اس راہ سے نہیں پلٹوں گا۔'' یہ ہمارے امام تھے جنہوں نے عمل کیا اور سچ کہا۔

''صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ ۚ''

انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اس کو سچ کر دیکھایا۔ [1]

زبانی دعوے تو سب کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک حسینی اور عاشورا کے شیدائی انسان نے کیا کیا؟ اگر ہم سب عاشورا والے ہوں، تو دنیا بہت تیزی سے بھلائی کی سمت چلنے لگے اور ولی مطلق (حضرت امام زمانہ) کے ظہور کے لئے حالات ساز گار ہوجائیں۔ یہ باتیں عوام کے درمیان بیان ہونی چاہیے۔ فراموش نہ کریں کہ امام حسین کا ہدف بیان ہونا چاہئے۔ اب ممکن ہے کہ کوئی، مثال کے طور پر ایک اخلاقی حدیث بھی پڑھے، یا ملک اور دنیا کی سیاست کی تشریح کرے، یہ بھی ضروری ہے، لیکن ضروری ہے کہ گفتگو اس طرح ہو کہ تقریر کے دوران، وضاحت کے ساتھ، اشارۃً، الگ سے یا ضمنی طور پر عاشورا کا واقعہ ضرور بیان ہو، یہ بیان ہونے سے رہ نہ جائے۔ یہ پہلی بات۔

---

[1] سورۂ احزاب: ۲۳

دوسری بات یہ ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور جس طرح کہ خود حسین بن علی علیہ السلام نے اپنے جہاد کی برکت سے اسلام کو زندہ کیا (اسلام درحقیقت حسین بن علی کے قیام اور خون سے زندہ اور آزاد ہوا ہے) آج آپ بھی، ان کی یاد کے ساتھ ان کے نام اور ان کے ذکر کے ساتھ حقائق اسلامی کو بیان کریں۔قرآن وحدیث کو متعارف کرائیں۔لوگوں کو نہج البلاغہ سے آگاہ کریں۔ اسلامی حقائق منجملہ یہی مبارک حقیقت جو آج حکومت حق میں یعنی اسلامی جمہوریہ کے علوی، ولایتی اور نبوی نظام میں متجلی ہوئی ہے،عوام کے لئے بیان کریں۔ یہ اعلی ترین اسلامی باتوں میں ہے۔ یہ نہ سمجھیں کہ اس اسلامی حاکمیت سے جو آج یہاں وجود میں آئی ہے، چشم پوشی کر کے، اسلام بیان ہوسکتا ہے۔ یہ آپ سے ہماری سفارش ہے۔

پہلے دن جب اسی طبقے نے اس حدیث شریف سے استفادہ کرکے جس میں حضور نے اپنے اصحاب کو شہد کی مکھی سے تشبیہ دی ہے، اس تحریک کو وسعت دی تو یہ آیۂ مبارکہ آنکھوں کے سامنے مجسم ہوگئی"

وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِیۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنالے ،اور درختوں میں اور اس جگہ میں جہاں وہ چھتریاں بناتے ہیں۔ پھر کھا ہر قسم کے پھل، پھر اپنے رب کے نرم وہموار راستوں پر چل[۱]

حقائق کو چوستے تھے اور تشنگان حقیقت کو شہد دیتے تھے کہ ''فیه شفاء للناس''۔آج بھی اسی طرح ہے۔آج بھی طلباء،نوجوان فضلاء ومبلغین ان فنون کے

---

[۱] سورۂ النحل:۶۸،۶۹

بزرگوں اور اساتذہ کے تجربات سے استفادہ کر کے، خود کو تیار کریں، اور خدا کی امید پر، خدا کے لئے، راہ خدا میں، قربت خدا کی نیت کے ساتھ جائیں اور ملک میں ہر جگہ، ہر گوشے میں اور پوری دنیا میں ان حقائق کو مناسب زبان میں بیان کریں۔ ان شاء اللہ حضرت بقیۃ اللہ الاعظم ارواحنا فداہ کا لطف و کرم آپ کے شامل حال رہے گا۔ ان شاء اللہ ہم اس محرم سے جس میں حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی تاریخ پڑ رہی ہے، زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں گے۔ ان شاء اللہ حضرت ولی عصر ارواحنا فداہ کی پاکیزہ دعائیں سبھی کے شامل حال ہوں۔

شعرا حضرات کو ہدایات

اہلبیتؑ کی مدح ایک بہت اہم کام ہے

اہل بیت پیغمبر کی مدح اور ان کے مصائب کا ذکر یقیناً ایک بہت بڑا اور اہم کام ہے۔ ہم نے گذشتہ برس اس قسم کے جلسوں میں بارہا اس سلسلے میں کچھ باتیں عرض کی ہیں اور مختلف الفاظ میں، قصیدہ خوانی سے اپنی عقیدت ظاہر کی ہے۔ آپ کے اس کام میں کئی زاویوں سے فن نظر آتا ہے۔ آپ کے اشعار، فن کے زمرے میں آتے ہیں، آپ کی آواز فن ہے، دھن بھی ہنر ہے اور جو اشارے کرتے ہیں وہ بھی فن کا حصہ ہیں۔ اس کام میں دوسرا عنصر تفکر و غور و فکر ہے؛ کیونکہ منطق، استدلال، صحیح بات، سچ بات اور اچھی بات، ان اشعار میں بہت زیادہ ہوتی ہے اور ان سے ذہنوں کو مطمئن کیا جا سکتا ہے۔ البتہ منطق کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ کبھی دلیل کے ساتھ ہوتی ہے، کبھی خطاب و کلام کے ذریعے ہوتی ہے اور کبھی اشعار کے ذریعے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ پیغام لوگوں کے ذہنوں کی گہرائیوں تک پہنچ جائے اور انہیں مطمئن کر دے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ دینی پیغام کے حامل سمجھے جاتے ہیں؛ آپ معنوی و ایمانی عہدوں کے حامل ہیں۔ دنیا میں اچھی آواز میں اشعار پڑھنے والے بہت زیادہ لوگ ہیں اور ہوسکتا ہے ان کے اشعار بھی اچھے ہوتے ہوں لیکن وہ مداح نہیں ہیں، جبکہ آپ مداح اہل بیت کی حیثیت سے لب

کشائی کرتے ہیں۔ یقینا دوسری بہت سی خصوصیات بھی ہیں لیکن یہ تین خصوصیتیں سب سے زیادہ اہم ہیں۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان تینوں خصوصیات سے بھرپور طرح سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور فائدے سے محروم بھی رہا جا سکتا ہے۔ غلط طرح سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اچھی طرح سے استفادے کی بھی الگ الگ نوعیت ہوتی ہے۔

آپ لوگ کوشش کریں کہ ان تین اہم خصوصیات سے، جو اللہ تعالی نے آپ کو عنایت کی ہیں، بہترین طریقے سے استعمال کریں۔ آپ کے اشعار بہترین، چست، اچھے مضامین کے حامل اور اطمینان بخش ہونے چاہئے۔ کبھی کبھی آپ کا کوئی قصیدہ، کسی خوش بیاں ذاکر کی گھنٹوں کی تقریروں سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی آپ کا ایک برمحل شعر ایک کتاب کی اتنی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ سب آسانی سے حاصل ہونے والی چیزیں نہیں ہیں۔ انسان کو زحمت کرنی پڑتی ہے، محنت و جفاکشی کرنی پڑتی ہے، اچھے اشعار تلاش کرنے پڑتے ہیں، پھر انہیں یاد کرنا پڑتا ہے۔ البتہ آج کل لکھ کر اشعار پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے۔ میری نظر میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن پرانے زمانے میں یہ برا سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات آج بھی اپنی جگہ پر ہے کہ اگر مداح، شعر زبانی پڑھیں تو یہ ایک الگ ہی خصوصیت ہوگی، لیکن اگر زبانی نہ بھی پڑھیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اہم یہ ہے کہ شعر، اچھا، گہرا، اچھی بندش والا اور اچھے مضمون کا حامل ہو۔ اچھے، چست اور بامعنی شعر کا معیار کیا ہے؟ کون سے اشعار مناسب نہیں ہیں؟ کون سے اشعار صحیح ہیں؟ ان سب باتوں کے لئے تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے، جس کا بیان اس کے اپنے مقام پر کیا جاتا ہے، تاہم اچھی طرح سے استعمال، اچھی بات اور صحیح روش ہے اور ان خصوصیات کو استعمال ہی نہ کرنا یا غلط طریقے سے استعمال کرنا، اس فن کی غلط شکل ہے۔

پروردگار! تجھے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی حرمت کا واسطہ، ہمیں ان کے شیعوں، ان کے عقیدت مندوں اور ان سے محبت کرنے والوں کی شکل میں زندہ رکھ اور

اسی شکل میں ہمیں موت عطا کر اور ہمیں اسی شکل میں محشور فرما۔ پروردگار! جو کچھ اس جلسے میں کہا گیا، پڑھا گیا اور جن باتوں پر عمل کیا گیا اسے تو قبول فرما۔ پروردگار! شفاعت اور ہدایت سے ہمیں نواز ۔ پروردگار! زندگی کے تمام مراحل میں، ہمیں اپنی ہدایت سے سرفراز کر ۔ پروردگار! ہمیں، اپنے حال پر نہ چھوڑ، ہماری قوم کے دشمنوں کو مغلوب و مایوس قرار دے، ہماری قوم کو اس کے تمام قابل فخر مراحل، سیاسی و دینی و انقلابی تاریخ کے تمام ادوار اور تمام امتحانوں میں، دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی عنایت فرما اور ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔ پروردگار! حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی نظر عنایت ہم پر قائم رکھ اور ان کی دعائیں ہمارے شامل حال فرما امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اور شہداء کی ارواح کو ہمارے اس جلسے سے خوشنود فرما۔

اسلامک اسٹوڈنٹس یونین سے اہم ترین خطاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ تمام جوانوں کی ملاقات سے میں بہت مسرور ہوں، آپ لوگوں کی صفائی قلب نورانیت اور دل کی پاکیزگی کو انسان ہر ملاقات میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ تاریخ شاھد ہے کہ ہمیشہ کسی بھی قوم وملت کے جوان اس قوم کے لئے کافی اہمیت کے حامل رہے ہیں لیکن کبھی کبھی بعض اسباب کی بنا پر یہ اہمیت کئی گنا ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی ملک یا کوئی قوم اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہوتو اس مقام پر جوانوں کا کردار زیادہ اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے یا اگر کوئی ملک دینی پسماندگی کے اندھیروں سے نکل کر علمی، عملی، تجرباتی، سیاسی وسماجی میدانوں میں ترقی کی شاہراہوں پر گامزن ہوتو ایسی منزل پر جوانوں کا کردار دیگر ادوار کی نسبت اور زیادہ اہم ہوجاتا ہے۔

درحقیقت ہمارا ملک اور ہمارا معاشرہ اسلامی انقلاب کے بعد سے اب تک مختلف حساس مرحلوں سے گزر چکا ہے جس میں جوانوں اور ان کی صلاحیتوں کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔

اگرچہ ہم ایسی قوم وملت سے تعلق رکھتے ہیں جس میں کافی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں لیکن تقریبا مسلسل دو یا تین صدیوں سے استعماری سازشوں، استبدادی سیاستوں،

موروثی سلطنتوں اور غاصب و جابر حکومتوں کی وجہ سے ہم عالمی پیمانے پر علمی قافلے سے بچھڑ گئے ہیں۔

علمی پسماندگی، اقتصادی، ثقافتی، فوجی اور اس طرح کے دیگر شعبوں میں پسماندگی کا بھی سبب بنتی ہے۔جس ملک کے پاس بہترین صلاحیتیں، بہترین قدرتی و انسانی بنیادیں، بہترین جغرافیائی محل وقوع، اور زمینی و دریائی ذخائر ومنابع ہوں اس ملک کو دنیا کے ترقی یافتہ اور ثروتمند ممالک میں سے ایک ہونا چاہئے تھا، لیکن یہ ملک قاجاری و پہلوی حکومتوں کے دوران ایک فقیر، کمزور اور پسماندہ ملک میں تبدیل ہو گیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو نا قابل انکار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ غلطی کس کے سر جائے؟ قصوروار کون ہے؟ پہلے مرحلے میں یہ گناہ ان فاسد و بے لیاقت حکمرانوں کے سر ہے جو مغرب کی استعماری سازشوں اور سیاستوں کے گام بہ گام رہے، ان کے یہاں نہ ہمت تھی نہ حمیت وغیرت، یہ لوگ صرف اور صرف اپنی عالیشان زندگی وشان وشوکت اور اپنے اقتدار کی حفاظت کی فکر میں تھے۔

ایرانی قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ روز قیامت بارگاہ الٰہی میں ان ستمگروں کے گریبان کو پکڑے اور شکایت کرے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک ایسے ملک کو فقیر، کمزور، بے بضاعت و ناامید بنا دیا جو مختلف صلاحیتوں اور بے نظیر تمدن وثقافت کا حامل تھا اور جسے دنیا کے صف اول کے ممالک میں بلکہ سب سے پہلے درجہ پر دیکھا جانا چاہئے تھا۔

پھر کیا پیش آیا؟ اس آخری سو سال یا ایک سو بیس برسوں کے سخت ایام کے دوران بہت سے بیدار ضمیر اور بزرگ افراد ظاہر ہوئے اور انہوں نے قوم کو بھی بیدار کرنے کی کوشش کی، اس ملک کی تاریک و ناامید فضا میں امید کی کرنیں روشن کیں جسکے نتیجہ میں عوام میں کچھ بیداری ایک بار پھر پیدا ہوئی۔جس کا ایک نمونہ مرزا شیرازی کا مشہور تمباکو کمپنی کے خلاف موقف اختیار کرنا ہے جو پورے ملک کی تباہی و بربادی کے درپے تھی اور ہندوستان کی طرح ایران کو بھی استعمار کا شکار بنانا چاہتی تھی۔ دوسرا نمونہ

پارلیمنٹ میں رضا خان اور اس کے طرفداروں کے خلاف آیۃ اللہ مدرس کے وہ احتجاجات تھے جو انہوں نے اس معاہدہ کے خلاف کئے تھے جس کے ذریعہ وہ افراد پورے ملک کو برطانیہ کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ ان آوازوں نے تاریک فضا میں امید کی کرن روشن کی، سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کیا اور ارادوں کو استحکام بخشا۔ یہ بیداری ایسے ہی افراد کی کوششوں کی بدولت وجود میں آئی یہاں تک کہ یہ الٰہی رہبری لطف خدا کے ذریعہ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے عزم و استقلال سے جا ملی اور ایران کو بے نظیر قیادت نصیب ہوئی۔ اس مرحلہ پر بھی انہی جوانوں نے تحریک شروع کی اور وہ ایک عظیم اور بنیادی انقلاب کا باعث بنے۔ وہ آہنی سلاخیں ٹوٹ گئیں جن میں ایرانی قوم کو مقید کیا گیا تھا لیکن انقلاب کے نقطہ آغاز سے منزل مقصود تک جہاں ایرانی قوم کو پہنچنا ہے راستہ کافی طولانی ہے۔ یہ طویل راستہ نشیب و فراز اور گوناگوں دشواریوں سے بھرا ہے جس کے لئے ہمت، قدرت، نشاط اور سعی و کوشش کی ضرورت ہے اور خود ان تمام چیزوں تک رسائی کے لئے جوانوں کے عزم و استقلال کی ضرورت ہے۔

عموماً ایران عراق کی جنگ کے زمانے میں ایرانی جوانوں کی فداکاریوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو ضروری بھی ہے۔ یہ جوان اپنے پورے اختیار کے ساتھ میدان جنگ میں حاضر ہوئے ان کی تعداد آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھی۔ ان شجاع جوانوں کی پوری کوشش اور دلی خواہش یہ ہوا کرتی تھی کہ سرحد کی آخری منزل پر جا کر اپنے ملک کی آزادی کا دفاع کریں۔

لیکن میں اس مقام پر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دوسرے مراحل کی ظریف دشواریاں بھی زمانہ جنگ سے کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ ایرانی عوام نے معنوی و دینی حاکمیت کے پرچم کو بلند کر رکھا ہے جو بہت اہم ہے۔ صحیح ہے کہ آج پوری دنیا کے انسان اور بالخصوص مغربی ممالک کے لوگ مادیت اور مادہ پرستی سے تنگ آ چکے ہیں اور اس معنویت کی تلاش میں ہیں جس کی انہیں ابھی شناخت بھی نہیں ہے۔ دنیا بھر

کے جوان اس مادیت کو چھوڑ کر جس کے وہ عادی ہو چکے ہیں، ایک ایسی معنویت کی تلاش میں ہیں جو انکی روحوں کو سیراب کر سکے لیکن دنیا کو چلانے والی طاقتیں، اقتصادی طاقتیں یعنی یہی جنھیں آپ عالمی استکبار کہتے ہیں قوموں کو معنویت سے نزدیک نہیں ہونے دیتیں۔ اقوام وملل میں شوق واشتیاق پایا جاتا ہے تو دوسری طرف موانع اور رکاوٹیں بھی کم نہیں ہیں۔ ایسے حالات میں اپنے جوانوں اور اپنے مادی ومعنوی سرمایوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک عظیم ملک یعنی اسلامی جمہوریہ ایران نے پرچم معرفت کو بلند کیا ہے اور اس کا دعوٰی یہ ہے کہ ہم انسانوں کو معنویت کے زیر سایہ سعادت وخوشبختی، آرام و آسائش، امن و امان، علم وہنر اور آزادی وخود مختاری کی شاہراہ پر گامزن کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس لیاقت وشائستگی کا حامل ہے۔ یہ استکبار کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے جس نے اس کے تمام فلسفوں اور طریقہ کار کو یکسر باطل کر دیا ہے۔

اگر یہ قوم اپنے آپ کو علم وترقی کی بلند بام چوٹیوں تک پہنچائے تو دیگر اقوام کے لئے معنویت کی طرف کھلنے والا ایک عظیم باب وا ہو جائیگا۔ دشمن اسی سے خائف ہے لہذا رکاوٹیں ڈالتا ہے، مخالفت کرتا ہے، پروپیگنڈے کرتا ہے، گستاخیاں کرتا ہے، سیاسی واقتصادی پابندیاں عائد کرتا ہے تا کہ یہ قوم اپنے مقصد تک رسائی حاصل نہ کر پائے لیکن ہمارا اور ہماری قوم کا عزم و ارادہ مستحکم ہے اور یہ بہترین مرحلہ ہے جہاں جوانوں کی طاقت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک ایسا جوان جو مؤمن ہے، امید سے مالا مال ہے، اپنے نفس پر اعتماد رکھتا ہے اپنی صلاحیتوں اور خلاقیت پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے انہیں بے نظیر جذبوں کی بدولت اس عظیم ذمہ داری کو ادا کرنے اور آگے بڑھنے میں عظیم کردار ادا کر سکتا ہے۔

دشمنوں کی پوری کوشش یہی ہے کہ ہمارے جوانوں سے ان کے حوصلوں اور ان کے عزم و استقلال کو سلب کر لیں جیسا کہ انقلاب سے پہلے وہ اپنی اس کوشش میں ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ اس لئے کہ اس دور میں ہمارے جوانوں کو خود اپنے اوپر

بھروسہ نہیں تھا، وہ اپنے آپ کو یورپ کے جوانوں سے کمتر سمجھتے تھے۔ یورپ کے جوان میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟ وہ کیا ہے؟ کیا وہ ایک ایسے انسانی مجسمے سے زیادہ کچھ ہے جو روحی ونفسانی مشکلات اور مادی ومعنوی مصیبتوں کا مجموعہ ہے؟ لیکن دشمن کی سازشوں نے ہمارے جوان کو ایسی شکل دے دی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ہمیشہ حقیر سمجھتا رہا جس کے منفی اثرات آج بھی اس زمانہ کے جوانوں یعنی دور حاضر کے بہت سے ان بوڑھوں میں دیکھے جا سکتے ہیں جن کو انقلاب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ عالم شباب کی غلط تربیت اس بات کا سبب بنی کہ وہ اعتماد نفس سے محروم تھے۔

دشمن اپنے حربوں کے ذریعہ چاہتا ہے کہ آج کے جوان سے اس کی خود اعتمادی، ایمان، صلاحیت، خلاقیت، عزم وحوصلہ اور شوق واشتیاق کو چھین لے اور اس کے ذہن کو دوسری مشکلات اور سرگرمیوں میں مشغول کردے۔ کسی کو شہوت پرستی، کسی کو لغویات، کسی کو بیہودگی تو کسی کو جنگ وجدال میں مصروف کردے۔

چونکہ آپ حضرات اسلامی انجمن سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا آپ کی ذمہ داریاں بھی دوگنی ہو جاتی ہیں یعنی اس دور کے جوانوں کی ذمہ داری، جو کہ اپنے آپ میں ایک عظیم اور قابل افتخار ذمہ داری ہے، یعنی وہ دور جس میں آپ زندگی بسر کر رہے ہیں حسّاسیت کے اعتبار سے تاریخ میں کم گزرا ہے اور مستقبل میں بھی کم گزرے گا۔ یہ دور جو ایک پسماندہ قوم کو ترقی یافتہ قوم میں تبدیل کرنے والا ہے۔ آپ کی ایک دوسری ذمہ داری اسلامی انجمن کی ہے، یعنی ایک جوان دوسرے جوانوں کے درمیاں پیغام بری کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی جوان خطا کا مرتکب ہو جائے، ممکن ہے کہ غلط احساسات و ادراکات اور نادرست افکار اس پر اثر انداز ہوں تو ایسی صورت میں آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کی نجات کے لئے کوشاں ہوں۔ آپ پر ضروری ہے کہ اس کی نجات کا سامان فراہم کریں۔ ظاہری بات ہے کہ جوانی کے بحر بیکراں میں کوئی بھی غرق ہوسکتا ہے لہٰذا

ڈوبنے والے کی نجات لازم ہے۔ اسلامی انجمن بلند بانگ دعوؤں اور اظہار غرور کے بغیر جو خود بھی اچھی چیز نہیں ہے، خود کو ڈوبتے کو نجات دینے والا بنائے۔ ایک وہ ہے جو موجوں میں سے اپنا گلیم نکالتا ہے اور ایک وہ ہے جو ڈوبنے والے کو نجات دیتا ہے۔

آپ حضرات ایک گروہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی سعی و کوشش یہ ہے کہ کوئی غرق نہ ہو لہٰذا کسی کو خطا کا مرتکب نہ ہونے دیجئے کسی کو پیچھے نہ ہونے دیجئے، برائی صرف کج روی نہیں ہے بلکہ آگے نہ بڑھنا اور قافلہ سے پیچھے رہ جانا بھی بہت بری شے ہے۔ اسلامی انجمن کا نصب العین کچھ ایسا ہی ہونا چاہیے اور اس میں اس طرح کا جذبہ موجود ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ڈوبتے کو نجات دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تیراکی دوسروں کے مقابلے میں کافی بہتر ہو، ورنہ نہ صرف یہ کہ وہ ڈوبتے کو نجات نہیں دے پائے گا بلکہ خود بھی غرق ہو جائیگا لہذا ضروری ہے آپ اپنے آپ کو قوی سے قوی تر کیجیے اور اپنے اعتقادی و اخلاقی پہلو کو مضبوط و مستحکم بنائیے۔

میں نے دو یا تین سال قبل بظاہر آپ حضرات یا آپ جیسے ہی دیگر جوانوں کی خدمت میں عرض کیا تھا میں جوانوں سے کہتا ہوں کہ طلب علم، تہذیب نفس کیجئے اور ورزش و تفریح انجام دیجئے یعنی آپ کے اندر عقل، فکر، مغز، اور علم کو مستحکم ہونا چاہیئے۔ الحمداللہ موصولہ اطلاع کے مطابق وہ طلاب جو اسلامی انجمن سے وابستہ ہیں ان کی تعلیمی صلاحیت دیگر طلاب کی نسبت کافی بہتر ہے البتہ ممکن ہے کہ ہر جگہ ایسا نہ ہو لیکن یہ اپنے آپ میں بہت اچھی بات ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے، علمی لحاظ سے رشد و نمو کیجئے لیکن صرف اس لیے نہیں کہ آپ کی بات دوسروں پر اثر انداز ہو بلکہ اس لئے کہ آپ ہی وہ ستون ہیں جن پر ایرانی قوم کی ترقی کا بے نظیر و بے بدیل قصر تعمیر ہونا ہے۔

طلب علم کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس و تہذیب نفس بھی بہت ضروری ہے۔ آپ تمام جوانوں کے قلوب نورانی ہیں، آپ کے اندر الٰہی فطرت زندہ و درخشاں ہے۔ اگر آپ ابھی سے اپنے آپ کو نیک رفتار و گفتار کی عادت ڈالیں تو آپ کی انسانی شخصیت بھی

اسی طرح تشکیل پائے گی اور زندگی کے آخری لمحات تک یہ عظیم سرمایہ آپ کے وجود میں محفوظ رہے گا۔ بالخصوص سن و سال کے اس حصہ میں جو آپ کی کتاب زندگی کا زرین و طلائی ورق ہے۔اس سن و سال میں اپنی شخصیت کو کمال بخشنے کے لئے بہت سے اہم کام انجام دئے جا سکتے ہیں۔خود سازی۔آپ خدا سے اپنے رابطہ کو محکم سے محکم تر بنایئے۔ دین کے منطقی پہلو اور مسائل کی باریکی کی طرف زیادہ توجہ دیجیئے اور ماہر استادوں سے اس سلسلہ میں استفادہ کیجئے۔دین جذبات کا حامل بھی ہے لیکن ان جذبات کا انحصار عمیق معنویات، گہری فکر پر ہے۔اس فکر کو سیکھنا چاہیے اور دین کے بنیادی مسائل سے آشنا ہونا چاہیئے۔اس کے ذریعہ اپنی شخصیت اور اپنے قلب و روح کو سیراب کیا جانا چاہئے۔آپ اپنے دل کو متاثر کیجئے ہم سبھی کو چاہیئے کہ اکثر اپنے دل سے باتیں کریں۔۔

کسی اہل دل اور اہل عرفان نے کیا خوب کہا کہ میں نے ہر روز چند ہزار بار فلاں ذکر کو اپنے سوئے ہوئے اور غافل دل پر پڑھا؛ کتنی اچھی تعبیر ہے! نماز وہی ذکر اور وہی آب حیات ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے دل کو سیراب کرتا ہے۔توجہ کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز، اس توجہ کے ساتھ کہ ہم خداوند عالم کے سامنے کھڑے ہیں اور اس سے ہمکلام ہیں، پڑھی جانی چاہئے۔پوری نماز کے دوران کوشش یہی ہونی چاہئے کہ یہ حالت و کیفیت محفوظ رہے۔اس وقت یہ نماز اثر دار ثابت ہوگی اور انسانی قلب کو اکسیر کے مانند بدل دیگی۔اکسیر ایک ایسا کیمیاوی مادہ ہے جو، کہتے ہیں کہ تانبے کو سونے میں تبدیل کردیتا ہے۔ہمارا دل اگر تانبے کی طرح بھی ہو اکسیر نماز اسے سونے میں تبدیل کر دے گی۔یہ بہت اہم چیز ہے۔

تہذیب نفس کا اہم حصہ نیک سلوک ہے، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ، اپنے والدین سے محبت کیجئے اور پھر محبت کا اظہار بھی کیجئے، ان کا احترام اور ان کی اطاعت کیجئے۔

گھر کے اندر آپ کی خوش اخلاقی و نیک سیرت ایک بہترین خانوادہ کی تعمیر کا

سبب بن سکتی ہے۔ اکثر مشاھدہ کیا جا گیا ہے کہ ایک جوان اپنے کردار کے ذریعہ اپنے والدین اور بھائی بہنوں کو متاثر کرتا ہے۔ میں کبھی کبھی جب شہدا کے گھر والوں سے ملاقات کرتا ہوں تو اس شہید کے والدین بیان کرتے ہیں کہ ہمارا بچہ، ہمارا شہید بیٹا اپنی نیک سیرت کے سبب ہمارا معلم و استاد تھا۔ اس کی نماز ہماری نمازوں کے لئے مثالی تھی، اس کی تلاوت قرآن ہماری تلاوت کے لئے نمونہ تھی، اس کے اندر موجود فرض شناسی اور احساس ذمہ داری ہمارے لیے درس کا عنوان رکھتی تھی۔ ایک مؤمن اور مہذب جوان، چراغ کی مانند خاندان کے ماحول کو روشن کرتا ہے اور بھائی بہن اس سے سبق حاصل کرتے ہیں وہ اپنے محلے اور اپنی زندگی کے ماحول اور کام کرنے کی جگہ کو بھی متاثر کرتا ہے۔

اب گرمی کی چھٹیاں نزدیک ہیں ان شاءاللہ امتحانات کے بعد اسلامی انجمن کے جوان دوسروں سے زیادہ اس فکر میں رہیں کہ اس فرصت سے مطالعہ، تعلیم و تعلم، صحت و ورزش، والدین کی مدد و نصرت اور تہذیب نفس کے لئے بخوبی استفادہ کریں۔ ان تینوں اصلی عناصر کی طرف آپ تمام جوانوں کی توجہ مرکوز رہے تا کہ بہتر طور پر اپنے کردار کے ذریعہ دوسروں پر اثر انداز ہوسکیں۔

جوانی ایک عظیم نعمت ہے جو صرف ایک بار ہر انسان کو دی جاتی ہے جس کا ایک خاص وقت ہوتا ہے۔ جوانی کے دور سے گزرنے کے بعد انسان جوانی کے دور کی برکتوں سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔ بہت سے ضعیف العمر اشخاص کے روحی و باطنی سکون، روشن فکر اور منظم زندگی کی اصلی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنی جوانی کو مذکورہ خصوصیات کے ساتھ بسر کیا ہے۔ اور بہت سے بوڑھے لوگ ایسے بھی ہیں جو سست، آزردہ خاطر، بے حوصلہ، اور ناامید نظر آتے ہیں، ایسے لوگوں نے ایام جوانی میں اپنے لئے کوئی ذخیرہ فراہم نہیں کیا تھا۔

وہ سن رسیدہ مرد اور عورت جو اپنے خدا سے بآسانی انس پیدا کر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جوانی کے دوران اپنے نفس کو خدا سے مانوس رکھا۔ یہ فکر بالکل غلط ہوگی کہ جوانی کو غفلت کی نذر کرنے کے بعد بڑھاپے میں خدا کا ذاکر و شاکر بندہ بنا

جاسکتا ہے۔نہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ممکن ہے کوئی کوشش کرے لیکن اپنے مقصد تک نہیں پہنچ پائیگا۔ جو ذخیرہ آپ دوران جوانی میں اپنے لئے جمع کرتے ہیں یہ آپ کی پوری زندگی کا ذخیرہ ہے خواہ وہ ذخیرہ جسم سے متعلق ہو یا فکر سے یا پھر قلب و روح سے۔ یہ آپ کے آخری لحات تک کا ذخیرہ ہے، ایک ابدی ذخیرہ اس ابدی زندگی کے لئے جو حقیقی حیات سے عبارت ہے۔

جوانی کے اس دور کی اہمیت کو سمجھئے اور اسلامی انجمن کی ممبری کی فضیلت کو بھی درک کیجئے، یہ ملک آپ کے توانا ہاتھوں کے ذریعے ہی تعمیر ہوسکتا ہے۔ ہمارے ملک کا جوان معاشرہ بہترین معاشرہ ہے۔ملک میں صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور حرکت و نشاط وسعی وکوشش کا مظاہرہ کرنے کے لئے زمین ہموار ہے البتہ دوسری طرف دشمن مسلسل اس کوشش میں ہے کہ ہمارے جوانوں کو بے کارو بےمقصد بنادے۔

بعض مقامات پر مایوس کن اطلاعات حاصل ہوتی ہیں لیکن حوصلہ افزا اطلاعات ان بری اطلاعات سے کہیں زیادہ موصول ہوتی ہیں اور مسلسل بہتری کی طرف قدم بڑھ رہے ہیں۔

ان شاءاللہ آپ ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہیں گے۔میں اس بات سے مطمئن ہوں کہ ایک وقت آئے جب ممکن ہے کہ میں اور میرے ہم سن وسال افراد اس دنیا میں نہ ہوں اس وقت آپ اپنی اس عالی دنیا کو دیکھیں گے جو آپ کی جوانی کی کوششوں کا بہترین نتیجہ بن کر رونما ہوگی اور ان شاءاللہ دوبارہ اس سے بہتر مستقبل کے لئے چارہ اندیشی میں مشغول ہوں گے۔

امید ہے کہ خداوندمنان آپ کے نورانی قلوب اور پاکیزہ باطن کو ہمیشہ نورانی و پاکیزہ برقرار رکھے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

فن اور فنکار کا مقام

فن کی حقیقت

فن در حقیقت وہ کسی بھی قسم کا فن ہو، تحفہ الٰہی ہے۔ اگرچہ فن کے اظہار کی کیفیت فن کے سامنے آنے کا ذریعہ ہوتی ہے لیکن یہی فن کی پوری حقیقت نہیں ہے۔ اظہار سے قبل فن کا احساس وادراک وجود میں آتا ہے اور وہی اصلی نکتہ ہے۔ جب ایک ظرافت، ایک حقیقت اور ایک خوبصورتی کا ادراک کرلیا گیا تب فنکار بال سے بھی زیادہ باریک ان ہزاروں فنکارانہ نکات کے ذریعے کہ غیر فنکار انسان کے لئے جن میں سے ایک نکتے کا بھی ادراک ممکن نہیں ہے، اپنے فنکارانہ مزاج کے سہارے اور اپنے باطن میں جلوہ افروز شمع فن کی روشنی میں بعض ظرافتوں، باریکیوں اور حقائق کو منظر عام پر لاتا ہے۔ اسے کہتے ہیں حقیقی فن کہ جو ایک ادراک، واردات قلبی، ایک انعکاس اور ایک اظہار ہے۔

فن کی قدر و قیمت

فن کی قدر و منزلت پر سب سے پہلے اہل فن حضرات کی توجہ مرکوز ہونی

چاہئے۔ انہیں چاہئے کہ اپنے وجود میں سمائے ہوئے اس بیش بہا خزینے کی قدر و قیمت پر توجہ دیں اور اس کا احترام کریں۔ احترام کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے صحیح اور شایان شان جگہ پر استعمال کریں۔ امام زین العابدین علیہ السلام ایک حدیث میں (انسانوں کو مخاطب کرکے) فرماتے ہیں کہ تمہارا انسانی وجود بیش بہا ترین چیز ہے۔ اس جنت کے سوا جس کا وعدہ اللہ تعالی نے کیا ہے کچھ اور تمہاری زندگی کا مناسب اجر اور بدلہ نہیں ہوسکتا۔ اسے بہشت پروردگار کے علاوہ کسی اور چیز کے بدلے نہ دو۔ فن اسی انسانی زندگی اور روح کا با ارزش ترین اور قابل فخر ترین پہلو ہے۔ اس کی قدر و منزلت کو سمجھنا چاہئے اور اسے اللہ تعالی کی خوشنودی کے لئے بروئے کار لانا چاہئے۔ اللہ کے لئے بروئے کار لانے کی بات سن کر ذہن ریاکاری کی جانب نہیں جانا چاہئے۔

فن ایک وسیلہ اور ذریعہ

آج دنیا میں جن لوگوں کے پاس اپنا کوئی پیغام ہے، خواہ وہ رحمانی پیغام ہو یا شیطانی پیغام، وہ (اپنے اس پیغام کو عام کرنے کے لئے) سب سے موثر ذریعہ جو اپناتے ہیں وہ فن کا ذریعہ اور راستہ ہے۔ دیگر فکری وسائل کے استعمال کی طرح فن کے استعمال میں بھی جو چیز سب سے اہم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ موقف اور رخ بالکل واضح، صحیح اور باریک بینی پر مبنی ہو، سمت و جہت کے تعین میں کوئی غلطی نہ ہونے پائے۔ آج دنیا میں فن کی مدد سے ناحق ترین باتوں کو عوام الناس کے ایک بڑے طبقے کے اذہان میں حق بات بنا کر اتار دیا جاتا ہے جو فن کے بغیر ممکن نہیں ہوتا، لیکن فن کی مدد سے اور فنکارانہ وسائل کے استعمال سے یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔ یہی سنیما ایک فنکارانہ ذریعہ ہے، یہ ٹیلی ویژن ایک فنکارانہ ذریعہ ہے۔ ایک باطل اور ناحق پیغام کو لوگوں کے ذہنوں میں حق بات کی حیثیت سے اتارنے کے لئے فن و ہنر کی گوناگوں روشوں کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ فن ایک ذریعہ ہے ایک بڑا با ارزش ذریعہ۔ یہ ہے تو ذریعہ اور وسیلہ

لیکن بسا اوقات اس کی اہمیت ان چیزوں سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے جن کی منتقلی کا یہ ذریعہ ہے کیونکہ اس کے بغیر منتقلی کا یہ عمل انجام نہیں پا سکتا۔

افکار کی ترویج کا وسیلہ

فن کی زبان میں وہ تاثیر ہے جو کسی اور زبان میں ممکن نہیں ہے۔ نہ علم کی زبان میں، نہ معمولی زبان میں اور نہ وعظ و نصیحت کی زبان میں۔ کسی میں بھی فن کی زبان والی تاثیر نہیں ہے۔ فن کو خاص اہمیت دینا چاہئے، اسے روز بروز ارتقائی منزلوں پر پہنچانا چاہئے اور فن کی سب سے قابل فخر شکل کا انتخاب کرنا چاہئے۔ فن کا استعمال نہ کیا جائے تو کسی کے بھی ذہن میں آپ کی معمولی سی بات بھی اپنا مقام حاصل نہیں کر پائے گی۔ اس میں جذابیت اور کشش پیدا ہونا اور اس کا دائمی اور پائیدار ہو جانا تو خیر دور کی بات ہے۔ کسی بھی درست یا غلط نظرئے کی ترویج کا بہت اہم ذریعہ فن ہے۔ فن بہت اہم ذریعہ اور وسیلہ ہے، بے حد اہم۔ فن اور اس کے ارتقاء کی بابت کبھی بھی کوئی غفلت نہیں برتنا چاہئے۔ فن کو گناہ اور انحراف اور اسی طرح کی دیگر برائیوں کے مترادف نہیں سمجھنا چاہئے۔ فن تو خالق کی نمایاں ترین مخلوقات میں سے ایک ہے۔ یہ پروردگار کی بیش بہا صناعی کا ایک نمونہ ہے جس کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ تمام کاموں میں، حتی معمولی سی تبلیغ میں بھی آپ کو فن کا استعمال کرنا چاہئے۔

فن کی عام خصوصیت

فن کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ اس کا سہارا لینے والا شخص بہت سی چیزوں کی جانب ممکن ہے متوجہ نہ ہو اور مخاطب شخص بھی ہو سکتا ہے کہ بہت سے امور سے غافل ہو لیکن فن اس کے باوجود اپنا اثر مرتب کر دیتا ہے۔ شعر، مصوری، خوش الحانی اور فن کی

دیگر اقسام مخاطب کے ذہن پر لاشعوری طور پر اثر ڈالتی ہیں، یعنی مخاطب شخص کو احساس بھی نہیں ہو پاتا اور فن اپنا کام کر چکا ہوتا ہے۔ یہ بہترین تاثیر اور اثر انداز ہونے کا بہترین طریقہ ہے۔ اللہ تعالی نے اعلی و ارفع ترین مفاہیم کو بیان کرنا چاہا تو فصیح ترین طرز بیان یعنی قرآن کا انتخاب فرمایا۔ یہ ممکن تھا کہ اللہ تعالی دوسری معمولی باتوں کی طرح اسلامی تعلیمات کو بھی عام طرز بیان کے ذریعے پیش کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اللہ تعالی نے فصیح ترین اور پرکشش ترین پیرائے میں اسے قرار دیا۔ خود قرآن کہتا ہے کہ تم اس کے الفاظ جیسے الفاظ اور اس کی فنکارانہ ترکیب جیسی ترکیب نہیں لا سکتے اور اس کے مفاہیم کا تو خیر کہنا ہی کیا۔

فن، خداداد صلاحیت و استعداد

فن کوئی ایسی دولت نہیں ہے جو مشقتوں کے ذریعے اور پسینہ بہا کر حاصل کر لی جائے۔ اگر انسان کے اندر فنکارانہ استعداد نہ ہو تو وہ کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے اس وادی میں ابتدائی چند قدم سے آگے نہیں بڑھ پائے گا۔ یہ فنکارانہ استعداد فنکار کی محنت و مشقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ خداداد شئے ہے۔ اللہ تعالی تمام نعمتیں انسانوں کو عطا کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا وسیلہ معاشرہ، ماں باپ، ماحول یا دیگر چیزیں ہوں۔ فنکار محنت کرتا ہے تاہم اس محنت اور بلند حوصلے کی نعمت بھی اسے اللہ تعالی سے ہی ملتی ہے۔ فنکار کو چاہئے کہ اپنے وجود کے اندر فن کے ارتقائی عمل کو جاری رکھے۔

ہر فنکار اپنے اندر ایک دنیا چھپائے ہوتا ہے اور یہ اس فن کی خصوصیت ہے جو اس کے وجود میں بسا ہوا ہے۔ اگر انسان کو فنکاروں کے دلوں کے اندر جھانکنے کا موقع ملے تو انہیں بڑی حیرت انگیز اور پرکشش وادی وہاں نظر آئے گی، غموں اور خوشیوں کا امتزاج اور تمناؤں، تشویشوں اور امنگوں کا آمیزہ۔ فن بڑا قیمتی گوہر ہے اور اس کی قیمت و ارزش کی وجہ یہ نہیں کہ دلوں اور نگاہوں کو جذب کر لیتا ہے کیونکہ بہت سی چیزیں ہیں جن کا

فن سے تعلق نہیں ہے لیکن ان میں بھی نگاہوں اور دلوں کو جذب کر لینے کی خصوصیت ہوتی ہے، اس کی وجہ ہے فن کا عطیہ پروردگار اور موہبت الٰہی ہونا۔

فنکار کی ذمہ داری

فن ایک بڑی قابل افتخار حقیقت کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ اگر کسی کو دیگر ثروتوں کی مانند یہ دولت اللہ تعالی کی جانب سے عطا کر دی جائے تو اسے اپنی متعلقہ ذمہ داریوں کا بھی احساس ہونا چاہیئے۔ اللہ کی عطیات کے ہمراہ کچھ ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ ذمہ داریاں ضروری نہیں کہ سب کی سب دینی اور شرعی باتیں ہوں، ان میں ایسی ذمہ داریاں بھی ہیں جن کا سرچشمہ خود انسان کا دل ہوتا ہے۔ انسان کو آنکھیں دی گئی ہیں اور یہ ایسی نعمت ہے جو بعض افراد کو نہیں ملی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آنکھیں جہاں انسان کے لئے لذتیں اور آسانیاں فراہم کرتی ہیں وہیں انسان کے دوش پر کچھ فرائض بھی عائد کر دیتی ہیں

چو می بینی کہ نابینا و چاہ است

یہ فریضہ ان آنکھوں کی وجہ سے ہے جو انسان کو دی گئی ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ دین انسان کو حکم دے اور اس کے بارے میں لازمی طور پر قرآن کی کوئی آیت نازل ہو۔ اس چیز کا ادراک قلب انسانی خود ہی کر سکتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہوگا جو ایسے دولتمند انسان کی ملامت نہ کرے جو حاجتمندوں کی مدد نہ کرتا ہو بلکہ ان کا مذاق اڑاتا ہو۔ ممکن ہے کہ وہ دولت مند انسان یہ کہے کہ میں نے اپنی محنت سے یہ دولت کمائی ہے اور اس پر میرا حق ہے لیکن اس کی یہ بات قبول نہیں کی جاتی۔ یعنی جب بھی دولت، عطیہ اور کوئی الٰہی انعام ملتا ہے تو اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ فرائض بھی عائد ہو جاتے ہیں۔

زمانے کے قدم سے قدم ملاکر

مجھے فلموں اور ڈراموں کے بارے میں معلومات نہیں ہے لیکن جہاں تک شعر اور ناول کا سوال ہے تو میں اس سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ جو تصنیفات موجود ہیں ان میں سے میں نے بہت کچھ پڑھا ہے۔ اگر آپ سویت یونین کے دور کے ادب پر نظر ڈالیں تو آپ کو اچانک محسوس ہوگا کہ بیچ میں ایک پردہ ہے، ایک حصار موجود ہے اور اس حصار کے دونوں طرف بڑے عظیم شاہکار موجود ہیں جن کا تعلق دونوں اطراف سے ہے۔ لیکن جب آپ شولوخف یا الیکسی ٹولسٹائے کی تصنیفات کو دیکھیں گے تو محسوس کریں گے کہ ان کا مذاق کچھ اور ہے۔

الیکسی ٹولسٹائے بہت بڑے قلمکار ہیں جنہوں نے بڑے اچھے ناول تخلیق کئے ہیں۔ وہ سویت یونین کے انقلاب کے مصنفین میں سے ہیں اور ان کی تصنیفات میں نئے دور کی جھلکیاں آپ کو ملیں گی۔ جبکہ لیو ٹالسٹائے کی کتاب میں آپ کو روسی قوم پرستی نظر آئے گی تاہم گزشتہ ساٹھ سالہ دور کی چیزیں آپ کو کہیں نظر نہیں آئیں گی۔ وہ کوئی الگ ہی دور ہے اور بنیادی طور پر اس کا تعلق کسی اور جگہ سے ہے۔ روس کی موجودہ ماہیت کو جو چیز منعکس کر سکے وہ کیا ہے؟ شولوخف اور الیکسی ٹولسٹائے جیسے مصنفین کی تصنیفات ہی میں آپ یہ چیزیں دیکھ سکتے ہیں۔ بنابریں ہر دور کا فنکار وہی ہے جس کا تعلق اس دور سے ہو اور جو اسی دور میں پلا بڑھا ہوا، اسی دور کا نتیجہ وثمرہ ہو۔ جو افراد قدیم اور گذشتہ ادوار کی یاد میں قلم فرسائی کرتے ہیں ظاہر ہے ان کا تعلق ان ادوار سے تو نہیں ہے۔

میں اس سلسلے میں ایک مکمل نمونہ پیش کرنے کے لئے بہتر ہوگا کہ کسی ایک ناول کا نام بھی لوں۔ میں نے ''دل سگ'' نام کا ایک ناول پڑھا جو روسی مصنف کی تخلیق تھی۔ یہ ناول ایک تخیلی اور سائنسی داستان پر مبنی ہے لیکن یہ عصر حاضر کا فن نہیں ہے۔ یہ گذشتہ دور کی نقل ہے۔ میں یہ مان سکتا ہوں کہ امریکا، برطانیہ اور فرانس کے ناولوں کی کاپی نہیں

ہے لیکن بہرحال اکتوبر کے انقلاب سے پہلے کے دور کی نقل ضرور ہے۔ یہ موجودہ دور کا فن نہیں ہے۔ یہ بڑا چھوٹا سا ناول ہے لیکن بہت ماہرانہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ ایران میں بھی اس کا ترجمہ ہوا اور اشاعت بھی ہو چکی ہے۔ ''دل سگ'' ناول انقلاب مخالف ناول ہے جو انیس سو پچیس یا انیس سو چھبیس میں یعنی روس میں آنے والے انقلاب کے اوائل میں لکھا گیا اور ناول نگار نے انقلاب اور کچھ کاموں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ان کا مذاق اڑایا ہے۔ مثلا یہی کام جن کی مثالیں ہم نے یہاں بھی دیکھی تھیں۔ یہ ناول روسی ادب کا جز ہرگز نہیں ہے۔ یہ ناول عالمی سطح پر شہرت پا سکتا تھا، یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سخت پہرا تھا اور اسٹالن کا دور تھا، ایسا بھی نہیں تھا لیکن پھر بھی یہ عالمی سطح پر نہیں آ سکا۔ کیوں عالمی سطح پر ایک شاہکار کی حیثیت سے اس کی پہچان قائم نہیں ہو سکی۔ جبکہ (میخائل شولوخف کے ناول) ''دن آرام'' کو دنیا میں بہت نمایاں مقام حاصل ہوا۔ صرف روس کی بات نہیں ہے، اس کا ترجمہ دنیا کی اہم زبانوں میں کیا گیا ہے، یہ (روس کے) انقلاب سے متعلق ادبی شاہکار ہے۔

فرض شناس فن

انسانوں کے تعلق سے فرض شناسی

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرض شناس فن کی ترکیب کے دونوں الفاظ میں باہم تضاد پایا جاتا ہے۔فن یعنی وہ چیز جو انسان کے آزادانہ تخیل پر استوار ہو جبکہ فرض شناسی یعنی زنجیر۔ یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ کیسے جمع ہوسکتی ہیں؟ ایک خیال یہ بھی پایا جاتا ہے لیکن یہ خیال درست نہیں ہے۔فرض شناسی اور احساس ذمہ داری کے مسئلے کا تعلق فنکار سے نہیں بلکہ اس کا تعلق اس کے انسان ہونے سے ہے جو وہ فنکار بننے سے پہلے بھی تھا۔ کوئی بھی فنکار بہر حال ایک فنکار بننے سے قبل انسان ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان کی کوئی ذمہ داری سرے سے ہو ہی نہ۔انسان کی سب سے پہلے دوسرے انسانوں کے تعلق سے کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں جبکہ بعد کے مراحل میں زمین و آسمان اور قدرت کے سلسلے میں بھی اس کے فرائض ہوتے ہیں لیکن اس کی سب سے بڑی ذمہ داری انسانوں کے تعلق سے ہوتی ہے۔

فن کے تعلق سے احساس ذمہ داری

فن کے پیرائے اور قالب کے سلسلے میں بھی اور اس کے مضمون کے سلسلے میں بھی فنکار کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔جس کے اندر فنکارانہ استعداد ہے اسے نچلی سطح پر کبھی بھی اکتفانہیں کرنا چاہئے۔ یہ فرض شناسی کا تقاضا ہے۔محنت سے بھاگنے والا سست فنکار وہ فنکار جو اپنے فن کے ارتقاء کے لئے اور تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے سعی و کوشش نہیں کرتا وہ درحقیقت اپنے فن کے قالب و پیرائے کے سلسلے میں اپنی فنکارانہ ذمہ داریوں سے بھاگ رہا ہے۔ فنکار کو ہمیشہ محنت کرنی چاہئے۔ البتہ ممکن ہے کہ انسان اس مقام پر پہنچ جائے کہ اب اور آگے جانے کی گنجائش ہی باقی نہ ہو، اگر ایسی صورت ہوتو پھر کوئی بات نہیں ہے لیکن جب تک اگے بڑھنا ممکن ہے اسے چاہئے کہ اپنے فن کے پیرائے کے ارتقاء کے لئے محنت کرے۔فن کے پیرائے کے سلسلے میں یہ فرض شناسی جوش و جذبے اور احساس ذمہ داری کے بغیر پیدانہیں ہوسکتی۔ ویسے یہ جوش و جذبہ بھی ایک طرح کی ذمہ داری ہی ہے، یہ ایک قوی عامل ہے جو انسان کو محنت کے لئے آمادہ کرتا ہے،اس کے اندر سستی اور راحت طلبی پیدانہیں ہونے دیتا۔

مضمون کے سلسلے میں ذمہ داری

اگر انسان محترم اور معزز ہے تو اس کا دل و ذہن اور فکر ونظر بھی معزز اور محترم ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ مخاطب کے سامنے کوئی بھی چیز پیش کر دی جائے صرف اس وجہ سے کہ وہ شخص سامنے بیٹھا فن کار کی باتیں سن رہا ہے۔اس بات پر توجہ ہونا ضروری ہے کہ فنکار اپنے مخاطب کو کیا دینے جا رہا ہے۔ برمحل کلام، اخلاق اور فضائل کا جز ہے۔ میں نے غالباً رومن رولینڈ (فرانسیسی مصنف 26 جنوری 1866 - 30 دسمبر 1944) کا یہ

جملہ پڑھا ہے کہ فنکارانہ تخلیق میں ایک فیصد فن اور ننانوے فیصد اخلاق ہوتا ہے یا احتیاط کے طور پر یہ کہنا چاہئے کہ اس میں دس فیصدی فن اور نوے فیصدی اخلاق ہوتا ہے۔ مجھے لگا کہ یہ بات پوری طرح درست نہیں ہے۔ اگر مجھ سے کوئی پوچھے تو میں یہی کہوں گا کہ سو فیصدی فن اور سو فیصدی اخلاق۔ ان میں آپس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ فنکارانہ شاہکار کو سو فیصدی فنکارانہ خلاقیت کے ذریعے انجام دینا چاہئے اور اسے سو فیصدی اعلی، بافضیلت اور مایہ پیشرفت مضمون سے پر کر دینا چاہئے۔فن کے میدان میں ہمدرد انسانوں کو جس چیز کی سب سے زیادہ فکر اور تشویش ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فنکار فن اور تخیل کی آزادی کے بہانے اخلاقیات کی حدود کو نظر انداز نہ کر دے۔ یہ بے حد اہم چیز ہے۔ بنابریں ''فرض شناس فن'' کی ترکیب بالکل درست اور صحیح ہے۔

فکر کے تعلق سے فرض شناسی

فنکار کو چاہئے کہ خود کو ایک حقیقت کا پابند سمجھے۔ یہ بات کہ فنکار فکر و نظر کی کس سطح پر ہے اور وہ حقیقت کو کامل طور پر یا محدود سطح پر سمجھ سکتا ہے، ایک الگ بات ہے، البتہ ادراک اور فہم و فراست کی سطح جتنی اونچی ہوگی فنکار اپنے فنکارانہ ادراک کی ظرافت میں اتنی ہی کشش پیدا کر سکتا ہے۔ حافظ (ساتویں صدی ہجری کے عدیم المثال ایرانی شاعر) صرف ایک فنکار نہیں تھے۔ ان کی باتوں میں بڑی اعلی تعلیمات اور معارف بھی موجود ہیں۔ یہی نہیں ان کے پاس ایک بڑا فلسفیانہ اور فکری ذخیرہ موجود ہے۔ فنکارانہ ادراک اور پھر اس کے انعکاس کے عمل کے پیچھے اعلی افکار کا سرچشمہ اور ذخیرہ ہونا چاہئے۔

البتہ سارے لوگ اس سلسلے میں ایک جیسے نہیں ہیں، اور اس کی توقع بھی نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ چیز فن کے تمام شعبوں پر صادق آتی ہے۔ آپ معماری سے لیکر مصوری، ڈیزائننگ، مجسمہ سازی، فلم، ڈرامے، شعر، موسیقی اور فن کے دیگر میدانوں تک دیکھئے یہی

صورت حال ہر جگہ نظر آئے گی۔ آپ کو ایسا بھی معمار نظر آ جائے گا جس کے پاس اپنی ایک فکر ہے جبکہ ایسا معمار بھی ہو سکتا ہے جو فکر و نظر کے لحاظ سے ممکن ہے کہ خالی الذہن ہو اس پاس کوئی فکری سرمایہ نہ ہو۔ یہ دونوں اگر تعمیراتی کام کرنا چاہیں تو دو طرح کی ڈیزائنیں بنیں گی۔ اگر اس طرح کے دو لوگوں کو ایک شہر آباد کرنے کی ذمہ داری سونپ دی جائے تو اس کا ایک نصف حصہ دوسرے نصف حصے سے مکمل طور پر الگ ہوگا۔

ہدف کے تعلق سے احساس ذمہ داری

فرض شناس اور اصولوں کا پابند فن ایک حقیقت ہے جس کا اقرار کرنا چاہئے۔ تو ہر روز بدلنے والی ذہنیت، پست اور غلط سوچ کے ساتھ یا غفلت کے عالم میں فن کی جانب نہیں بڑھا جا سکتا اور اس میدان میں کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ جو مسرت و نشاط فن کار کے اندر ہونی چاہئے وہ اسی صورت میں حقیقی معنی میں پیدا ہوگی جب فنکار کو بخوبی علم و ادراک ہو جائے کہ وہ کس سمت میں بڑھ رہا ہے، کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہی اس میں اپنے فن کے تعلق سے خاص مسرت و طمانیت پیدا ہوتی ہے اور وہ فنکارانہ کام انجام دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فنکار کے اندر مخصوص مسرت و طمانیت پیدا ہوتی ہے جس کا عام خوشیوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے اور یہ چیز غیر فنکار شخص میں ہرگز پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اخلاقیات، دینی معارف اور فضائل پر پوری توجہ دی جائے۔

فن اور دین

دینی فن کی تعریف

دینی فن سے مراد وہ فن ہے جو دینی تعلیمات کو مجسم کر دے اور بلا شبہ ادیان الٰہی میں دین اسلام اعلیٰ ترین تعلیمات اور معارف کا حامل دین ہے۔ یہ تعلیمات وہی چیزیں ہیں جو انسان کی سعادت وخوشبختی، انسان کے معنوی و روحانی حقوق، انسان کی سربلندی، بندے کے تقوا و پرہیزگاری اور انسانی معاشرے میں عدل ومساوات کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ دینی فن کو رجعت پسندانہ فن نہیں سمجھنا چاہئے۔

دینی فن سے مراد، ریاکاری اور دکھاوا ہرگز نہیں ہے اور یہ فن ضروری نہیں ہے کہ دینی الفاظ پر ہی مبنی ہو۔ عین ممکن ہے کہ ایک فن سو فیصدی دینی فن ہو لیکن اس میں عرف عام میں رائج اور دینی الفاظ سے ہٹ کر کلمات کا استعمال کیا گیا ہو۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ دینی فن لازمی طور پر وہی ہے جس میں کوئی دینی داستان منعکس کی گئی ہو یا علماء اور دینی طلبا جیسے کسی دینی موضوع پر بات کی گئی ہو۔ دینی فن وہ ہے جو ان تعلیمات کی ترویج میں، جنہیں تمام ادیان بالخصوص دین اسلام نے انسانوں کے درمیان عام کرنے کی کوشش کی ہے اور جن کی ترویج کی راہ میں بڑی پاکیزہ جانیں قربان کی گئی ہیں، مددگار بنے، انہیں دوام بخشے اور لوگوں کے ذہنوں میں اتار دے۔ یہ تعلیمات اعلیٰ دینی

تعلیمات ہیں۔ یہ وہ حقائق ہیں جنہیں انسانی زندگی میں عام کرنے کے لئے اللہ تعالی کے پیغمبروں نے بڑی مشقتیں کی ہیں۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہم یہاں بیٹھ کر دنیا کے منتخب انسانوں یعنی پیغمبروں اور مجاہدین راہ خدا کی مساعی اور جانفشانی پر سوالیہ نشان لگائیں اور ان کے سلسلے میں لاتعلق بن جائیں۔ دینی فن ان تعلیمات کو عام کرتا ہے، دینی فن عدل و انصاف کو معاشرے میں اقدار کے طور پر متعارف کراتا ہے۔ خواہ آپ نے اپنے اس فن میں کہیں بھی دین کا نام بھی نہ لیا ہو اور عدل و انصاف کے سلسلے میں کوئی حدیث اور کوئی آیت نقل نہ کی ہو۔ ضروری نہیں ہے کہ فلم یا ڈرامے کے ڈائیلاگ میں دین یا دین کے مظہر کا درجہ رکھنے والی چیزوں کا نام لیا جائے تبھی اس میں دینی رنگ پیدا ہوگا۔ نہیں، ایسا نہیں ہے، آپ ممکن ہے کہ اداکاری کے ذریعے عدل و انصاف کی بات موثر ترین انداز میں پیش کر دیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو درحقیقت دینی فن پر آپ نے توجہ دی ہے۔

دینی فن کی سمت و جہت

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ فن سے مراد ہے بے دینی اور لاابالی پن، یہ غلط ہے۔ دینی فن میں جس چیز پر پوری گہرائی کے ساتھ توجہ دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ فن شہوت پرستی، تشدد اور انسان اور معاشرے کے تشخص کی تباہی پر منتج نہ ہو۔ فن انسان کے اندر خالق یکتا کی صناعی کا ایک پرکشش جلوہ ہے۔ فن کے سلسلے میں قابل اعتراض بات جس پر ہمیشہ اہل بصیرت نے روک لگائی ہے، اس کا غلط سمت میں جانا ہے۔ فن کو اگر انسانوں کو بہکانے اور غیر اخلاقی حرکتوں میں مبتلا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے تو بری بات ہے۔ ورنہ اگر فن دینی جذبے کے ساتھ اور دینی سمت میں آگے بڑھے تو یہ وجود انسانی کی نمایاں ترین خوبیوں اور خصوصیتوں میں قرار پائے گا

قرآن، فنکارانہ شاہکار

پیغمبر اسلام نے اپنے پیغام کو پیش کرنے کے لئے تمام وسائل حتی فن کو استعمال کیا۔ وہ بھی اس کے بلندترین اور افتخار آمیز پیرائے یعنی قرآن کی شکل میں۔ قرآن کی کامیابی کا ایک بڑا راز اس کا فنکارانہ انداز ہے۔ قرآن فن کی بلندترین منزل پر فائز ہے، بالکل غیر معمولی درجے پر۔ واقعی قرآن میں بڑا عجیب فن موجود ہے جو انسان کے لئے قابل تصور نہیں ہے۔

اگر انسان قرآن کو شروع سے آخر تک اور اسی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات کو بغور دیکھے تو محسوس کرے گا کہ اس میں شرک و بت و شیطان کی دشمنی اور وحدانیت موجزن ہے۔

اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لوگوں کے درمیان بیٹھتے اور فن کی زبان استعمال نہ کرتے تو ممکن تھا کہ کچھ لوگ آپ کے گرویدہ بن جاتے لیکن وہ بجلی اور وہ طوفان ہرگز وجود میں نہ آپاتا۔ یہ کام فن نے کیا۔ فنکارانہ تخلیقات ایسی ہوتی ہیں۔

فن وسیاست

فن کا سیاسی مقاصد کے لئے غلط استعمال

آج کے دور میں سیاست فن کا غلط استعمال کر رہی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ایسا نہیں ہے تو بلا شبہ ہم حقیقت سے نظریں چرا رہے ہیں۔ آج ہی استعمال نہیں کر رہی ہے، سیاست ماضی میں بھی اسے استعمال کرتی آئی ہے۔ اس سے قبل اٹھائیس مرداد (سن تیرہ سو بتیس ہجری شمسی مطابق انیس اگست انیس سو ترپن عیسوی میں ایران کی ڈاکٹر مصدق کی منتخب قانونی حکومت کے خلاف) ہونے والی بغاوت کے سلسلے میں امریکہ کی وزارت خارجہ کی جانب سے جاری کی جانے والی دستاویزات کا ترجمہ کر کے مجھے دیا گیا۔ جب یہ واقعہ رونما ہوا تو میری عمر بہت کم تھی، چودہ پندرہ سال کا تھا میں اور بہت کم ہی باتیں مجھے یاد ہیں لیکن لوگوں سے میں نے بہت سنا اور تحریروں میں پڑھا تھا تاہم اتنی تفصیل کہیں اور نہیں دیکھنے کو ملی تھی۔ یہ دستاویز خود ان افراد نے جو اس واقعے میں ملوث تھے تیار کی اور امریکی وزارت خارجہ اور سی آئی اے کو بھیجی تھی۔ یہ دستاویزات امریکیوں کی تھیں۔ ویسے پورا آپریشن امریکا اور برطانیہ نے مشترکہ طور پر انجام دیا جسے اس رپورٹ میں مکمل طور پر بیان بھی کیا گیا ہے۔ اس کی جو بات میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ''کیم روز ولٹ'' کہتا ہے کہ جب ہم تہران آئے تو ہمارے پاس مقالوں کا ایک صندوق تھا۔ ان مقالوں کو

ترجمہ کر کے اخبارات میں شائع کروانا تھا۔ ہم اپنے ساتھ کارٹون بھی لائے تھے۔ آپ ذرا غور تو کیجئے کہ امریکی (خفیہ ایجنسی) سی آئی اے نے اس حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے، جو امریکیوں کو پسند نہیں تھی اور جو ان کے مفادات کی تکمیل کے لئے آمادہ نہیں تھی، ایسی حکومت تھی جو عوام کے ووٹوں کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی اور پہلوی دور کی دیگر حکومتوں کے بر خلاف یہ حکومت قوم پرست تھی جو عوام کے ووٹوں سے قانونی طور پر تشکیل پائی تھی، (سی آئی اے) نے اس بہانے کہ کہیں یہ حکومت سویت یونین کی گود میں نہ چلی جائے اس کے خلاف تمام حربوں منجملہ فن کا استعمال کیا۔ البتہ اس زمانے میں ایسے کارٹونسٹ نہیں تھے جن سے ان کا کام نکلتا اور جن پر وہ (امریکی) اعتماد کر سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ کارٹون بھی لیکر آئے تھے۔ اس دستاویز میں بتایا گیا ہے کہ ہم نے سی آئی اے کے شعبہ فن سے ان چیزوں کو تیار کرنے کی درخواست کی۔ اطالویوں نے بھی چند سال قبل ایک کتاب شائع کی جس کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ اس میں بھی سی آئی اے کے شعبہ فن اور اس کی سرگرمیوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ سیاست اس طرح فن سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

فن سامراج کی خدمت میں

افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے دشمن، ایران کے دشمن، ہمارے عز وشرف کے دشمن فن کا غلط استعمال کرتے آئے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ شعر، مصوری، افسانے، فلم، ڈرامے اور فن کی دیگر قسموں کو حقائق کو مٹانے، فضائل کو نابود کرنے، روحانی واسلامی صفات کو ختم کرنے، مادہ پرستی اور مادی عیش وعشرت کی جانب دھکیلنے کے لئے استعمال کیا گیا۔

فلم ایک بیحد پیشرفتہ اور ماڈرن فن ہے۔ آج دنیا کے سب سے نمایاں اور با استعداد فنکار ہالیوڈ میں موجود ہیں۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ ہالیوڈ کس چیز کی خدمت کر رہا ہے، کس انسان کی خدمت کر رہا ہے، کس فکر ونظر کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ فحاشی کی ترویج، بے ہدف زندگی کی ترویج، شناخت اور تشخص سے دوری کی ترویج، تشدد کی ترویج

اور قوموں کو ایک دوسرے سے الجھانے کے لئے اس کا استعمال ہو رہا ہے تاکہ متمول طبقہ بے فکری کی زندگی بسر کر سکے۔ یہ عظیم فلمی صنعت، جس میں درجنوں فلم ساز کمپنیاں، فنکار، ہدایت کار، اداکار، افسانہ نگار، فلمی دنیا کے قلم کار اور سرمایہ کار جمع ہیں، کچھ مخصوص اہداف کی خدمت کی سمت بڑھ رہی ہے۔ وہ ہدف ہے سامراجی سیاست کا ہدف۔ یہی سیاست امریکی حکومت کو چلا رہی ہے۔ یہ چھوٹی باتیں نہیں ہیں۔

کہتے تو بہت ہیں کہ فن کو سیاست اور سیاسی موقف سے آزاد رکھا جانا چاہئے لیکن خود ان کا عمل اور کردار اس کے بالکل برعکس ہے۔ دنیا کی سامراجی طاقتوں نے، فن، فلم، شعر، تصنیف، دماغی صلاحیت، استدلال اور فلسفے کو سامراجی اہداف کی تکمیل اور لوٹ مار کے لئے مختص کر دیا ہے۔ یہی چیز جو آج دنیا میں سرمایہ داری کا مظہر ہے اس کی فوجی طاقت امریکہ ہے، اس کی اقتصادی طاقت امریکی حکومت کی پشت پر کھڑی کمپنیاں ہیں۔ وہ لوگوں کے سامنے آئیڈیل رکھنے کے لئے تمام تر وسائل کا استعمال کرتے ہیں جبکہ قومیں خالی ہاتھ ہیں ان کے پاس اپنے آئیڈیل نہیں ہیں جنہیں وہ مقابلے پر لاسکیں اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکیں۔

فن اور معیشت

معیار زندگی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو خود فنکاروں کی زندگی کوئی بہت اچھی نہیں ہے جبکہ بہت سے مواقع پر ان کی زندگی اطمینان بخش حالت میں بھی نہیں ہے۔ جو لوگ شعبہ فن میں سرمایہ کاری کرتے ہیں اگر وہ بعض چیزوں کے پابند ہوں تو مالی منفعت حاصل نہیں کر پاتے۔ ایسے افراد کی مدد کرنا ضروری ہے۔ اگر ان کی مدد نہ کی گئی تو وہ ہر اس چیز کا رخ کریں گے جس سے کمائی کی جا سکتی ہو جو ان کے اخراجات پورے کرے۔ یہ چیز ہمیشہ اچھی نہیں ہوتی۔ فلمی دنیا میں شہوت پرستی، جنسیات اور ان جیسی دیگر باتوں کے آجانے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے۔ فنکار کو نوجوانوں کے دلوں اور ذہنوں میں ایسی

چیز نہیں اتارنی چاہئے جو اسے گناہ اور بدعنوانی کی سمت لے جائے۔ یہ ایسی چیز نہیں ہے جسے کسی موضوع میں فکر ونظر کو انتخاب کے لئے آزاد چھوڑ دینا کہا جاتا ہے۔ جذباتی مسائل میں کسی کو انتخاب کا موقع کہاں ملتا ہے۔ ان میں تو انسان انتخاب کی طاقت ہاتھ سے دیکر کسی ایک سمت میں کھنچا چلا جاتا ہے۔ حالات ایسے ہونے چاہئے کہ فنکار بغیر کسی اجبار و اکراہ کے ''خریدار'' تلاش کرنے کی مجبوری کے بغیر اپنے فن کو پیش کرے تاکہ فن اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں ابھر کر سامنے آئے۔

فن کے بارے میں مادی سوچ

دنیا میں معنوی و روحانی دولت اور سرمائے کے سلسلے میں مادی سوچ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ روحانی و معنوی دولت کو اس معیار پر تولا جاتا ہے کہ اس سے کتنی رقم حاصل ہوگی۔ یہ فن اور یہ علم کس حد تک پیسے میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ اسلام میں یہ معیار نہیں ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ علم وفن اور دیگر معنوی ثروتوں سے پیسہ کمانے میں کوئی مضائقہ ہو۔ نہیں، علم تو زندگی میں رفاہ لانے کا ذریعہ ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس سے قطع نظر خود یہ معنوی دولت بھی اسلام کے نقطہ نگاہ سے اپنے آپ میں بہت قیمتی شئے ہے۔ یعنی یہ فنکار خواہ اس کے فن کو کوئی نہ پہچانتا ہو اور اس کے فن سے کسی کو فائدہ نہ پہنچ رہا ہے لیکن پھر بھی اس فن کا موجود ہونا ہی اپنے آپ میں اسلامی اور روحانی نقطہ نگاہ سے بہت با ارزش بات ہے۔ ممکن ہے کہ کسی معاشرے میں وسائل کی کمی اور تجربے کے فقدان کی وجہ سے علم، تحقیق، فن یا اسی جیسے دیگر معنوی سرمائے کی مادی قیمت نہ دی جا سکے، خود ہمارے معاشرے میں یقینا یہ صورت حال ہے اور دنیا کے بہت سے علاقوں میں بھی یہ چیز پائی جاتی ہے لیکن یہ اس بات کا باعث نہ بننے پائے کہ علم وفن کے ابلتے چشمے رک جائیں۔

فن کاروں اور اداکاروں سے ملاقات

شعبۂ فن کے لئے اہم سفارشات

قائد انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی خامنہ ای نے آج حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی پر بننے والے سیریل کے ہدایت کار، اداکاروں اور دیگر متعلقہ افراد سے ملاقات میں اس فنکارانہ شاہکار کی قدردانی کی اور فرمایا: یہ سیریل درحقیقت داستان کے ماہرانہ انعکاس کے ساتھ خلاقانہ فنی کاموں کا ایک نقطہ آغاز ہے جس پر اسلامی ثقافت و ہدایت کی وزارت اور ریڈیو اور ٹی وی کے ادارے نیز اداکاروں کی جانب سے پہلے سے زیادہ سرمایہ کاری اور محنت کی ضرورت ہے۔

قائد انقلاب اسلامی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی پر بننے والے اس سیریل میں واقعے کی فنکارانہ انداز میں پردے پر نمائش کو بڑی اہم خصوصیت قرار دیا اور فرمایا: فنون وسنیما کی اس دنیا میں ناظرین کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے جنسی کشش جیسی بعض چیزوں کا سہارا لیا جاتا ہے لیکن ایران اور دیگر ممالک میں بہت زیادہ پسند کئے جانے والے اس سیریل میں دوسری فلموں اور سیریلوں کے برخلاف داستان کا محوری نقطہ عفت و پاکدامنی ہے۔ قائد انقلاب اسلامی نے اس خصوصیت کو بہت باارزش قرار دیا اور فرمایا: اس سیریل کی ایک اور خصوصیت حضرت یوسف کی حقیقی نبوت اور جامع

الصفات شخصیت کی عکاسی تھی اور واقعی اس دینی شخصیت نے روحانیت وذکر و دعا پر توجہ کے ساتھ ہی معاشرے کے نظم ونسق، ظلم کے خلاف جنگ اور دباؤ کے مقابلے میں پائیداری واستقامت کے سلسلے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

عصر حاضر کی فلم انڈسٹری کو بظاہر صنعتی لیکن بباطن سیاسی قرار دیا اور فرمایا: ہالیوڈ کی بیشتر کمپنیاں اور ادارے امریکی سیاست کے پس پردہ کارفرما سیاسی نظام کے ارادوں اور افکار کا مظہر ہیں اور بسا اوقات وہ حکومتوں سے بھی بالاتر ہوتی ہیں۔ قائد انقلاب اسلامی نے زور دیکر فرمایا کہ مواصلاتی اور فنکارانہ وسائل کی ترقی نے فلم انڈسٹری کو سیاسی اہداف اور افکار کی ترویج کا موثر حربہ بنا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسلامی جمہوری نظام کے پاس بیان کرنے کے لئے بہت سی نئی باتیں اور نظریات ہیں جنہیں فنکارانہ زبان اور موثر انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ قائد انقلاب اسلامی نے دینی جمہوریت کو دنیا کے لئے بالکل نیا اور عدیم المثال نظریہ قرار دیا اور فرمایا: اس وقت ایران میں دینی ماہیت والی جمہوریت عملی طور پر موجود ہے اور فن و ہنر کی مدد سے اس بے مثال حقیقت کو دنیا میں متعارف کرایا جا سکتا ہے۔

ظلم کے مقابلے میں اسلامی نظام کی بے خوف استقامت کو دنیا کی ایک اور بے مثال حقیقت قرار دیا اور فرمایا: ایران کے اسلامی نظام میں قوموں کے لئے بڑی دیدہ زیب اور پرکشش باتیں اور نظریات ہیں جنہیں فنکارانہ روشوں کے ذریعے چھوٹے یا بڑے سیریلوں کی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

قائد انقلاب اسلامی نے اسلامی نظام کے طرز فکر کی ترویج کے لئے اس ذریعے کے بھرپور استعمال کی ضرورت پر زور دیا اور فرمایا: یہ فنکارانہ شاہکار یقینا بہت بڑے شاہکار ہیں لیکن انہیں کبھی بھی آسکر یا آرٹ کا نوبل ایوارڈ نہیں ملے گا کیونکہ اس وقت فن و ہنر کی حامی عالمی تنظیموں کی رسوائی طشت از بام ہو چکی ہے۔

ان انعامات کی کوئی ارزش نہیں ہے اور فنکاروں کو بھی چاہئے کہ ان انعامات کو

مقصد بنا کر کوئی فلم یا سیریل نہ بنائیں۔ میں تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ فن کاروں کو چاہئے کہ حقیقت کو مقصد بنا کر فنکارانہ شاہکار تیار کریں۔آپ نے فرمایا کہ فنکارانہ روش کو بخوبی سیکھا جائے اور حقائق پر مبنی فلمیں اور سیریل بنانے پر کمر بستہ ہوا جائے اور یہ ہدف فرض شناس فنکاروں اور با ایمان نوجوانوں کی محنت و مشقت کے بغیر حاصل نہیں ہوگا۔ فلموں اور سیریلوں میں فن اور اداکاری کے لحاظ سے کوئی کسر نہ چھوڑی جائے۔

ملک کے اندر بننے والی فلموں اور سیریلوں میں اچھی داستانوں کے فقدان ہے جو کہ ایک بڑی خامی ہے، اداکاری کے جوہر کے لئے مناسب داستان کا سہارا بہت دلچسپ ہوتا ہے اور اس پر سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

حضرت یوسف کی سرگزشت پر بننے والے سیریل کے کے ہدایت کار جناب سلحشور کی زحمتوں اور کاوشوں کی قدردانی کرتا ہوں، اس اہم اور با ارزش سیریل میں تعاون کرنے والے تمام افراد اللہ تعالی کی بارگاہ میں ماجور مثاب ہوں گے۔

اس سیریل کی جو خامیاں بیان کی گئیں وہ یا تو درست نہیں تھیں یا پھر اتنی معمولی تھیں کہ ان کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

اہلِ فن حضرات کی ذمہ داری

ایک بار پھر خوش آمدید کہتا ہوں اور سبھی بھائیوں، بہنوں اور بالخصوص ان دوستوں کا شکر گزار ہوں جن کے کلام سے بہرہ مند ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ گذشتہ سال کی مانند میں نے اس سال بھی غور کیا کہ انقلابی اشعار کی سطح اور اس (نئی) نسل کے شعرا کا انداز کیا ہے۔ میں نے گذشتہ سال بھی یہ بات کہی تھی اور آج بھی اسے دہراؤں گا کہ میں نمایاں طور پر محسوس کر رہا ہوں کہ یہ سطح بلند ہو رہی ہے۔ انقلابی شعراء کے اشعار کی سطح آج دس سال، پندرہ سال قبل کے مقابلے میں زیادہ بلندتر ہے۔ میں ان لوگوں کی بھی جو کل انقلاب کے تازہ دم جوان تصور کئے جاتے تھے اور آج الحمدللہ ادھیڑ ہو چکے ہیں اور بدستور اسی راہ میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور ان لوگوں کی بھی جو اس میدان میں نئے نئے وارد ہوئے ہیں، میرا مقصد یہ ہے کہ جن کے اشعار حال میں سامنے آئے ہیں، شاید یہ لوگ بھی برسوں سے اس میدان کی سیاحی میں مصروف ہوں لیکن غالباً ان کے اشعار اس سے قبل تک ان اخبارات و جرائد میں شائع نہیں ہوتے تھے جو مجھ تک پہنچتے ہیں، میں ان سب کی دل سے قدردانی کرتا ہوں۔ آج کی شب پڑھے جانے والے بیشتر اشعار بہت اچھے تھے۔ اچھے تھے کا یہ مطلب ہے کہ الفاظ کی بندش، مفاہیم کی بلندی، پیش کرنے کا بہترین انداز، الفاظ کا انتخاب اور وسعت خیال یہ سب کچھ ان اشعار میں خاص طور پر نوجوان شعرا کے کلام میں صاف طور پر نظر آیا۔ یہ بہت

اہم ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہمارے ملک میں شعر و ادب کے شجر کی بھرپور نشو نما پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک بات یہ ہے کہ انقلاب کے اس عرصے یعنی ان تیس برسوں میں انقلابی اشعار کا بڑا کامیاب ارتقائی سفر دیکھنے میں آ رہا ہے۔ ہمارے شعرا میں کہیں کوئی سست روی یا جمود نظر نہیں آتا، اسے باقاعدہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ انقلاب سے قبل کے مختلف ادوار میں ایسے شعرا تھے جن میں بعض تو بڑے معروف بھی ہوئے، انہیں اپنی زندگی کے کسی ایک مرحلے پر بڑی شہرت ملی لیکن پھر ان کی تنزلی شروع ہوئی اور ایک طرح سے وہ جمود کا شکار ہو گئے۔ پھر آپ ان کے اشعار کو دیکھئے تو وہ دل آویزی نظر نہیں آتی، لیکن ہمارے یہ جو (انقلابی) شعرا ہیں انہیں دیکھئے تو ایسا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اس جلسے میں آپ دیکھئے تو جناب فرید صاحب، جناب امیری صاحب اور جناب میر شکاک صاحب موجود ہیں جو بہت پہلے سے بڑے اچھے اشعار کہتے آئے ہیں، بالخصوص جناب فرید صاحب۔ مجھے یہ صاحبان اچھی طرح یاد ہیں۔ ان حضرات نے اچھے اور معیاری اشعار کی سمت اپنا سفر جاری رکھا۔ کبھی رکے نہیں تو ظاہر ہے کہ تنزلی کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔ یہ چیز بہت اہم ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاں نئی پودھ بھی دیکھنے میں آ رہی ہے۔ ان نوجوان شعرا کو دیکھ کر تو میں حیرت زدہ رہ جاتا ہوں۔ یہ مختلف صوبوں کے نوجوان شعرا یہاں آ کر اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ جب میں اپنی جوانی کے دنوں کے ان صوبوں کے شعرا سے ان کا موازنہ کرتا ہوں تو ان نوجوانوں کو بہتر پاتا ہوں۔ حالانکہ اس دور میں بعض نامور اور معروف شعرا گزرے ہیں۔ پھر بھی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ شعرا ان سے بہتر شعر کہتے ہیں۔ ابھی اسی جلسے میں ایک شہر کے شاعر نے جس کا میں نام نہیں لینا چاہتا، شعر پیش کیا۔ میں اس شہر کے ماضی کے شعرا کے اشعار سے واقف ہوں کیونکہ میں اس شہر کی انجمن شعر و ادب کے پروگرام میں جا چکا ہوں، وہاں کے معروف شعراء کو سن بھی چکا ہوں

لیکن آج کی شب اس شہر کے شاعر نے جو اشعار پیش کئے وہ ان تمام شعرا سے بہتر ہیں۔ بنابریں یہ انقلابی اشعار کا ایک سفر ہے جس میں یہ اشعار مسلسل بلندیوں کی سمت بڑھتے نظر آئے ہیں۔ یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ انقلابی اشعار کے لئے ضروری ہے کہ انقلابی مفاہیم کی خدمت کریں۔ آپ کے درمیان بہت سے شعرا ہیں جو مدح اور منقبت کے اشعار کہتے ہیں۔ یعنی مذہبی اشعار اور ائمہ علیہم السلام کی مدح کے اشعار۔ واقعی ان کے بڑے اچھے اشعار دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ بعض شعرا ہیں جو جنگ اور مقدس دفاع یا پھر شہدا اور جانبازوں کے موضوع پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے لیکن میں نے گزشتہ سال بھی کہا تھا کہ انقلاب کے اہداف اور امنگیں یہیں تک محدود نہیں ہیں۔ انقلاب نے ہمارے سامنے درخشاں ستاروں کی ایک انجمن قائم کر دی ہے اور ہمیں ان نورانی مقامات کی سمت پرواز کرنے کی دعوت دی ہے۔ ہم نے بھی خود کو آزما کر دیکھ لیا ہے کہ ہم پرواز کر سکتے ہیں۔ یہ پرواز ہماری حد امکان کے اندر بھی ہے اور اس کا سب سے نمایاں نمونہ مقدس دفاع کے دوران نظر آیا۔ ہم نے دیکھا کہ جب یہ قوم ان بلندیوں کی سمت بڑھنے کے لئے پر تولتی ہے تو کامیابی کے ساتھ آگے بھی بڑھتی ہے۔ اب بھی بہت سے اہداف ہمارے سامنے ہیں اور ہمیں ان کی سمت بڑھنا ہے۔ ہمیں عدل و انصاف کی سمت بڑھنا ہے، ہمیں اخلاق و کردار کی سمت بڑھنا ہے۔ ہمیں حقیقی خود مختاری کی جانب کہ جس میں ثقافتی خود مختاری بھی شامل ہے اور جو سب سے زیادہ دشوار ہے، پیش قدمی کرنا ہے۔ ہمیں اپنے اسلامی۔ایرانی تشخص کی سمت بڑھنا ہے۔

اس بار انتخابات کے آس پاس یعنی انتخابات سے قبل اور انتخابات کے بعد جو حالات پیش آئے ہم نے دیکھا کہ انہی چیزوں میں ہمارے ہاں کچھ کمزوریاں اور مشکلات ہیں۔ یہ واقعات درحقیقت ہمارے لئے نعمت عظمی سے کم نہیں۔ اس لحاظ سے کہ ان سے ہمیں اپنی کمزوریوں سے واقفیت ہوتی ہے۔ جس طرح مسلح فورسز کی مشقوں میں ہوتا ہے۔ فوجی مشقیں اسی لئے ہوتی ہیں کہ فوج کو اپنی کمیوں اور خامیوں کا اندازہ ہو

سکے۔ ایک ہدف معین کر دیا جاتا ہے اور پھر اس ہدف کی سمت پیش قدمی کا حکم جاری ہوتا ہے۔ کچھ تیز بیں نگاہیں اس پورے عمل کی نگرانی کرتی ہیں۔ یہی تمام فوجی مشقوں میں ہوتا ہے۔ ایک مناسب جگہ پر کھڑے ہوکر منظر کا جائزہ لیا جاتا ہے اور یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ فلاں زاوئے سے خامی ہے یا شاید طویل عرصے سے پائی جانے والی کمی اب بھی موجود رہ گئی ہے۔ یہ (انتخابات) ہمارے لئے فوجی مشقیں ثابت ہوئے۔ البتہ یہ (انتخابات سے متعلق ناخوشگوار واقعات) ہماری مرضی سے رونما نہیں ہوئے بلکہ ہم پر مسلط کر دیئے گئے۔ لیکن اچھا ہی ہوا۔ ہم کو اپنی کمیوں کا علم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ کچھ اہداف ہمارے سامنے موجود ہیں جن کی سمت ہمیں پیش قدمی کرنا ہے۔ اس صورت میں خامیاں دور ہو جائیں گی۔ یہ رہا دوسرا اہم نکتہ۔

اب سوال یہ ہے کہ اس میں شاعر کا کیا کردار ہے؟ فن و ہنر کے شعبے سے وابستہ افراد کا اس میدان میں کیا کردار ہے؟ میرے خیال میں تو بہت اہم کردار ہے۔ بہت بڑا کردار ہے۔ سب سے بڑی ذمہ داری ہے (حقائق کو) بیان کرنا اور لوگوں تک پہنچانا۔ یہ ایک ضابطہ ہے۔ جس حقیقت کو آپ نے سمجھ لیا ہے، اسے بیان کیجئے۔ کسی کی یہ توقع اور خواہش نہیں ہے کہ آپ اپنے مافی الضمیر کے برخلاف کچھ کہئے۔ آپ وہی بات بیان کیجئے جس کا آپ کو ادراک ہے۔ البتہ صحیح اور درست ادراک کے لئے آپ کو کوشش کرنا پڑے گی۔ کیونکہ پر آشوب حالات میں صحیح شناخت اور ادراک بڑی دشوار چیز ہوتی ہے۔ واقعے کے فریقوں کو پہچاننا دشوار ہوتا ہے، جارحیت اور دفاع کی پہچان دشوار ہوتی ہے، ظالم و مظلوم کی پہچان مشکل ہوتی ہے، دوست اور دشمن کی شناخت دشوار ہوتی ہے۔ اگر کوئی شاعر بھی دیگر افراد کی مانند فریب میں آ جائے، بے بصیرتی کا شکار ہو جائے تو یہ دنیائے فن سے تعلق رکھنے والے انسان کی کسر شان ہے۔ تو لازم ہے کہ حقیقت کو سمجھا جائے اور پھر اسی حقیقت کو منظر عام پر لایا جائے۔ دنیائے فن و ادب میں سیاسی طریقوں اور سیاستدانوں کی روش پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ دنیائے فن و ادب میں مشکل کشائی کی جانی

چاہئے، حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا جانا چاہئے، ذہنی گرہوں کو کھولنا چاہئے۔ اس کے لئے وضاحت کی ضرورت ہے۔ گویا انبیاء کا کام انجام دینا ہے۔ بیان میں فصاحت و بلاغت کو جو ضروری قرار دیا گیا ہے تو بلاغت کا مفہوم کچھ اس طرح کا ہے؛ البتہ متعلقہ کتب میں تو بلاغت کے معنی کلام کا حالات کے تقاضے کے مطابق ہونا بتایا گیا ہے لیکن یہ بلاغت کا ایک خاص مفہوم ہے۔ بلاغت کا بدیہی اور اولیں مفہوم یہ نہیں ہے۔ بلاغت کے معنی ہیں پہنچانے کے۔ بلاغ یعنی پہنچانا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حافظ کے فلاں اشعار بہت فصیح و بلیغ ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے کہ حالات کے تقاضے کے مطابق ہیں؟ ہمیں کیا معلوم کہ جس وقت یہ اشعار کہے گئے تھے حالات کے تقاضوں کے مطابق تھے یا نہیں؟! ہم تو آج انہیں دیکھ رہے ہیں۔ تو گفتگو حالات کے تقاضے کی نہیں بلکہ بات کی رسائی کی ہے۔ یعنی آپ کی بات لوگوں کے دل میں اتر جانے والی ہو، واضح ہو، عیاں ہو۔ البتہ آپ بات وہی بیان کریں جسے آپ نے سمجھا ہے۔ یہ توقع اور خواہش نہیں ہے اور ہونا بھی نہیں چاہئے کہ کسی سے ایسی بات بیان کرنے کو کہا جائے جو اس کے ادراک اور مافی الضمیر کے برخلاف ہے۔ ہاں یہ بھی کوشش کیجئے کہ جو کچھ آپ سمجھ رہے ہیں صحیح و درست سمجھیں۔

اسلامی انقلاب کی عظیم تحریک اختتام پذیر نہیں ہوگئی۔ اس کے عظیم لشکر کا ایک چھوٹا سا جز ہم لوگ ہیں جنہیں ادب و ثقافت سے وابستہ افراد میں شمار کیا جاتا ہے۔

اسلامی انقلاب سے شروع ہونے والی یہ عظیم تحریک اختتام پذیر نہیں ہوئی ہے، تمام نہیں ہوئی ہے۔ یہ تحریک آج بھی جاری ہے۔ آج کل جو بیانوں، ٹی وی چینلوں، تشہیرات، عدالت میں اور عوام کے درمیان جو کہا جاتا ہے ''نرم جنگ'' وہ ایک حقیقت ہے، درست ہے۔ یعنی اس وقت جنگ چل رہی ہے۔ البتہ یہ میری آج کی بات نہیں ہے۔ میں (عراق کی جانب سے مسلط کردہ) جنگ کے بعد سے ہی یہ بات کہتا آیا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ میدان میری نظروں کے سامنے ہے۔ اب اس کا کیا کروں جو اس

چیز کو دیکھ نہیں پاتا؟! میری نظروں میں تو پورا میدان ہے، میں تیاریوں کو دیکھ رہا ہوں، صف آرائی کو محسوس کر رہا ہوں میں کینہ وغضب کی شدت سے کانپتے ہوئے ہونٹ دیکھ رہا ہوں، میں انقلاب، امام خمینی ؒ ان اہداف اور ان تمام افراد کے خلاف جو اس تحریک سے قلبا وابستہ ہیں بھنچے ہوئے جبڑے دیکھ رہا ہوں۔ جب ایک انسان ان چیزوں کو دیکھ رہا ہے تو وہ کیا کرے؟ یہ چیزیں ابھی ختم نہیں ہوئی ہیں۔ چونکہ ختم نہیں ہوئی اس لئے ہم سب کے فرائض بھی برقرار ہیں۔ ادبی وثقافتی شعبے سے وابستہ افراد کے فرائض بھی معین ہیں۔ وضاحت، تشریح، بیان کیجئے اور خوب بیان کیجئے۔ میں نے ہمیشہ اس پر تاکید کی ہے کہ اچھے پیرائے کا انتخاب کیا جائے اور پھر بھر پور انداز میں فن کا مظاہرہ کیا جائے۔ کوئی دقیقہ فروگزار نہ کیا جائے تاکہ اس کا اثر ہو۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ بعض افراد اپنی فنکاری کے ذریعے باطل کی تبلیغ کرتے ہیں اور تعجب اس پر ہے کہ ہم بھی اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ کوریا کا یہی سیریل (کوریائی سیریل جسے ترجمہ کرکے افسانہ جومونگ کے عنوان سے ایران میں نشر کیا گیا) جو آج کل نشر ہو رہا ہے اور جسے لوگ بہت دلچسپی سے دیکھ رہے ہیں، محض ایک افسانہ ہے، گڑھی ہوئی تاریخ اس میں پیش کی گئی ہے۔ انسان اگر شاہنامہ (فردوسی) میں اگر تلاش کرے تو اس طرح کی دس پندرہ داستانیں آسانی سے مل جائیں گی۔ لیکن کیا ہے کہ فن کا استعمال کیا گیا ہے۔ جب کوئی فنکارانہ انداز میں کام کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ملتا ہے کہ آپ حضرات بھی جن کو اس (کوریا کی) تاریخ سے اور اس ثقافت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بیٹھ کر نہایت شوق سے اسے دیکھتے ہیں اور جانے انجانے میں اس ثقافت سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ یہ اچھے فن کی خاصیت ہے۔

اچھا فن ضروری ہے۔ دنیائے فن میں آپ شعر سے وابستہ ہیں۔ جتنا زیادہ اور بہتر انداز میں ممکن ہے آپ اساتذہ اور قدیم شعراء کی تخلیقات کا مطالعہ کیجئے لیکن ان کے درمیان محدود نہ ہو جایئے البتہ ان کی خوبیوں کو نظر انداز بھی نہ ہونے دیجئے اور اب تک

جو آپ نے حاصل کیا ہے اس پر اکتفا نہ کیجئے۔ میں یہ عرض کر دوں کہ شروع میں جو تعریفیں میں نے کیں وہ اپنی جگہ درست ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہمارے عزیز نوخیز شعرا کے اشعار، جو وہ پڑھتے ہیں تو بے ساختہ تعریفی کلمات منہ سے نکلتے، بالکل بے نقص ہیں۔ یہ تنقید کی نشست نہیں ہے جہاں بیٹھ کر اشعار کا تنقیدی جائزہ لیا جائے ورنہ اگر واقعی معیاروں پر پرکھا جائے تو کچھ اعتراضات یقینا وارد ہوں گے۔ آپ ان نقائص کو خود محسوس کیجئے۔ اگر اس کے لئے مخصوص نشست منعقد کی جائے تو چہ بہتر۔ جس طرح ماضی میں ہم نے مشہد میں دیکھا اور شرکت بھی کی، تہران کے بارے میں بھی سنا تھا البتہ شرکت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تاہم تہران میں وہ مشہد والی بات نہیں تھی۔ وہاں اشعار کو کریدا جاتا تھا۔ ایسی نشست میں اشعار کا تنقیدی جائزہ لیجئے۔ اگر اس کا انتظام نہیں ہے تو آپ خود غور کیجئے، اپنے اشعار کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کیجئے تاکہ انہیں بے نقص و عیب بنایا جا سکے، میری نظر میں یہ کام کیا جا سکتا ہے۔ اساتذہ کے اشعار سے مانوس ہو کر بھی انسان اپنے اشعار کی کمیوں کو بھانپ سکتا ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی آپ کی توفیقات میں اضافہ کرے۔ معلوم نہیں کہ کب اور کتنے سال بعد ایسی بابرکت شب میں ان شعرا کی بزم میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ آخری اتفاق ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوبارہ یا اس سے زیادہ بار یہ موقع نصیب ہو (4) البتہ ہم نے اس طرح کی نشست کہیں نہیں دیکھی۔ میلاد النبی کے موقع پر برادران اہل سنت کے ہاں نعت خوانی اور" دف زنی" کی نشست ہوتی ہے جو میں دیکھ چکا ہوں۔ بہر حال اگر حضرات سال کی تین سو ساٹھ شبوں میں سے ہر شب تشریف لائیں، بشرطیکہ ہمارا وقت نہ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالی آپ سب کو کامیاب کرے۔ ہم دیکھیں گے، یہ بھی ایک تجویز ہے۔ انشاء اللہ جو بہتر ہوگا انجام پائے گا۔ اللہ آپ سب کی تائید و نصرت کرے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁